سیرتِ نبوی ﷺ کے منہاج

پروفیسر سمیع اللہ قریشی

Marfat.com

Marfat.com

سیرتِ نبوی ﷺ کے منہاج

پروفیسر سمیع اللہ قریشی

DATA ENTERED

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

Marfat.com

۲۹۷۶ ۹۹۱۲
مسلم ۲۸۴
۳۶۱۶۶
ک-۲

۱۹۹۵

نیاز احمد نے
آر۔آر پرنٹرز، لاہور سے چھپوا کر
سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور
سے شائع کی۔
تعداد ــــــ ایک ہزار
قیمت ۱۲۰/۰۰ روپے

ISBN 969 - 35 - 0572 - 7

Marfat.com

Marfat.com

ترتیب

منہاج اول: 23

نبوت و رسالت کا استکمال

منہاج دوم: 39

امن و عافیت کا اعلان

منہاج سوم: 57

زیردستوں کی کفالت

منہاج چہارم: 77

معیشت کی روح

منہاج پنجم: 95

فلاحی ریاست کے انداز

منہاج ششم: 135

نظام عدل و قضاء

منہاج ہفتم: 177

تربیت اولاد

تیراوجود الکتاب

Marfat.com

Marfat.com

عہد حاضر کا ہر سوچنے والا ذہن مذہب پسندوں سے یہ سوالات کرنے کا حق رکھتا ہے کہ موجودہ دور میں جملہ مذاہب کے پیش کردہ نظام فکر کی کیا حیثیت ہے اور کیا یہ نظام ترقی یافتہ دور حاضر کے پہلو بہ پہلو چل سکنے کی سکت اپنے اندر رکھتے ہیں اور کوئی موثر تعمیری کارنامہ سرانجام دے سکتے ہیں؟ آخر یہ کس حد تک قابل عمل ہیں؟ اس سلسلے میں اگر جملہ مذاہب عالم کا جائزہ لیا جائے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ بعض مذاہب نے تو سرے سے کوئی نظام حیات ہی پیش نہیں کیا مثلاً بدھ مت اور عیسائیت دونوں کے متبعین اگرچہ بین الاقوامیت کے دعوی دار ہیں، مگر دونوں کا موضوع محض اخلاقیات ہے۔ زندگی کے دیگر شعبوں کی طرف بدھ مت یا عیسائیت نے بالکل کوئی توجہ نہیں دی۔ چنانچہ یہ دونوں مذاہب انسانی زندگی میں وہ ہم آہنگی اور خوشگوار موافقت پیدا کرنے میں یکسر ناکام رہے ہیں جو ایک جامع فکری نظام کو دراصل کرنی چاہئے۔ ہندو دھرم اور یہودیت اس لحاظ سے بدھ مت اور عیسائیت سے بہرحال کچھ آگے ہیں کیونکہ ان کے ہاں محض ضابطہ اخلاق سے آگے بھی نظام زندگی کا ایک نامکمل اور ناقص سا تصور مل جاتا ہے۔ مگر دونوں ایک روحانی نظام سے بڑھ کر نسلی یا تہذیبی نظام کو لانے کے زیادہ حق دار ہیں۔ اور صدہا برس تک جغرافیائی حدود میں پابند رہنے کی وجہ سے رفتہ رفتہ یہ صلاحیت بھی کھو بیٹھے کہ گردو نواح کو بھی متاثر کرسکیں۔ ہندو دھرم اور یہودیت دونوں کے ہاں کوئی تبلیغی نظام نہیں پایا جاتا اور اس بات کو قطعاً پسند نہیں کیا جاتا کہ دوسری نسل کا کوئی فرد ہندو ہو جائے یا یہودی مذہب اختیار کر لے۔ زرتشت کے پیرو کاروں کا رویہ اس معاملے میں دوسرے مذاہب سے بھی زیادہ سخت اور تعصبانہ ہے دین زرتشت کی داخلیت پسندی نے قدیم پارسی خاندانوں کو بھی پوری طرح پنپنے نہیں دیا، کجا یہ کہ اس کی طرف سے ساری دنیا کے لئے کوئی فکری نظام پیش

Marfat.com

کیا جاتا۔ ہندو دھرم اور یہودیت کی تعلیمات میں لچک کا نہ ہونا اور قوانین مذہب کا انتہا پسندانہ رویہ ان کے ترقی پزیر نہ بننے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ چنانچہ یہ دو مذاہب کسی دور میں بھی زمانے کا ساتھ نہیں دے سکے۔ ان کے برخلاف بدھ مت اور عیسائیت کو انسان کی اجتماعی زندگی سے کوئی غرض ہی نہیں اس لئے ان کے پیرو اپنے ذاتی اجتہاد کے مطابق محدود آزادی کے قائل ضرور ہیں لیکن اس آزادی کا ان کے روحانی نظام سے ہرگز کوئی واسطہ نہیں۔ ان میں سے کوئی مذہب بھی اپنے مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ کیوں کہ بیشتر کے پاس کوئی الہامی کتاب ہی موجود نہیں اور جن کا یہ دعویٰ ہے کہ ہمارے روحانی نظام کی بنیاد کسی الہامی کتاب پر ہے وہ خود یقین سے یہ کہنے سے معذور ہیں کہ آیا یہ صرف بحرف صحیح اور خدا کا کلام ہے یا محرف و مبتدل ہو چکا ہے۔

ہندوؤں کے مقدس ویدوں کی تالیف کا عہد ابھی تک متعین نہیں کیا جا سکا اور اس بات کا تو کوئی اشارہ تک نہیں ملتا کہ اگر یہ واقعی خدا کا کلام ہے تو آخر کن رشیوں، منیوں اور اوتاروں پر نازل ہوا۔ چنانچہ خود ہندوؤں کا ایک طبقہ ویدوں کی عدم صحت پر یقین رکھتا ہے۔ اور انہیں انسانوں کی تصنیفات خیال کرتا ہے۔ بدھ مت میں کسی الہامی کتاب کا وجود ہی نہیں ملتا کیونکہ بدھ ذاتی طور پر کسی الہامی نظام کا قائل ہو تو ہو کم از کم اپنے پیروؤں کے سامنے اس نے کسی روحانی یا الہامی نظام کا کوئی تصور پیش نہیں کیا، اور نہ کوئی ذاتی تصنیف چھوڑی ہے۔ اس کے اقوال مختلف کتابوں میں جمع شدہ موجود ہیں لیکن وہ بھی صدیوں بعد جمع کئے گئے اور آج اپنا اصل مفہوم کھو بیٹھے ہیں۔ تورات بے شک قرآن کی نظر میں وحی کا درجہ رکھتی ہے لیکن اس بات کے لئے کافی ثبوت موجود ہیں کہ اصل تورات بنی اسرائیل کی طویل سیاسی اور مذہبی تاریخ میں خاصے طویل وقفوں تک ناپید رہی جلا دی گئی یا چھن گئی۔ مثلاً جس زمانے میں بخت نصر نے بیت المقدس کو برباد کیا اس وقت اس مقدس کتاب کا صرف ایک نسخہ ہیکل سلیمانی میں محفوظ تھا جو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ یہودی قوم قیدی بنا کر بابل میں لائی گئی جہاں دین زرتشت کو سرکاری حیثیت حاصل تھی اور یہودیوں کو اپنی مذہبی رسوم بجا لانے کی قطعاً اجازت نہ

Marfat.com

تھی۔ کسریٰ سائرس نے انہیں جہاں اس قید سے رہائی دلائی وہاں مذہبی رسوم کی ادائیگی کی اجازت بھی دے دی' اور یہودیوں نے محض حافظے کی مدد سے تورات کا ایک نیا نسخہ وضع کر لیا۔ بعد میں بھی کم از کم تین مواقع یہودیوں کی تاریخ میں ایسے آئے جن میں تورات ضائع ہو جاتی رہی اور حالات کی موافقت کے بعد ہر دفعہ نئے سرے سے اس کی تالیف عمل میں آئی۔ ظاہر ہے کہ یوں تحریف اور تبدیلوں کا کس قدر واضح امکان تھا' ورنہ ایسا کبھی نہ ہوتا کہ یہ کتاب نازل تو حضرتِ موسیٰ پر ہوئی اور اس میں آپ کی تجہیز و تکفین تک کے واقعات بھی تفصیل کے ساتھ درج ہوتے۔ زرتشتی تعلیمات کا ماخذ اوستا ہے جسے الہامی کتاب شمار کیا جاتا ہے مگر اس کا اصل نسخہ روز اول سے ناپید ہے۔ پہلی دفعہ بعض زرتشتی راہبوں کی کوششوں سے اس کی تصنیف کا آغاز دارا گشتاسپ کے عہد میں ہوا بعد میں اس میں بے شمار اضافے کئے جاتے رہے بالاآخر چوتھی صدی عیسوی میں اس کی تکمیل ہوئی۔ اس کتاب کے پڑھنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس مذہب نے خاصے طویل ارتقائی مراحل طے کرنے کے بعد جدید شکل حاصل کی ہے۔ انجیل کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ قرآن بے شک اس کتاب کے وحی الٰہی ہونے کی تصدیق کرتا ہے لیکن اصل کتاب آرامی زبان میں ہونی چاہئے تھی کیونکہ یہی وہ زبان تھی جو حضرت مسیح کی مادری زبان تصور کی جاتی ہے' مگر آج دنیا کے کسی گوشے میں بھی بولی نہیں جاتی۔ اس کتاب کا سب سے پہلا اور قدیم ترین نسخہ یونانی زبان میں ملتا ہے' جس کے ترجمہ ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا۔ علاوہ ازیں انجیل کے مطالعہ سے یہ صاف پتہ چل جاتا ہے کہ یہ کتاب ایک فکری نظام پیش کرنے سے زیادہ مسیح کی ایسی سوانح حیات ہے جسے اس کے شاگردوں نے اپنے حافظے کی مدد سے مرتب کیا ہے۔ چنانچہ انجیل کوئی ایک نہیں بلکہ ان کی تعداد چونتیس تک تسلیم کی گئی ہے۔ حواریوں کے خطوط اور مکاشفات کی تعداد ان کے علاوہ ہے۔ جو کتاب کے ساتھ منسلک کر دیئے گئے ہیں۔ قدیم ترین انجیل کا سراغ بھی مسیح سے کم از کم چار صدیاں بعد ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مختلف مذاہب عالم کی مذہبی کتب یا پھر مذہبی قوانین پر کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے جن کی تاریخی حیثیت بھی

Marfat.com

مشکوک ہو' اور مندرجہ بالا تمام مذاہب کے مذہبی صحیفوں میں آپس میں کوئی تعلق یا ایک دوسرے کا کوئی ذکر تک نہیں کیا گیا تاکہ کم از کم بعد کا کلام ہی ما قبل کی تصدیق کر سکے۔ ان کتابوں میں صرف اپنے اپنے زمانوں کی مخصوص اقوام سے خطاب ملتا ہے جس سے ان کی دائمی اور عالمی حیثیت متعین نہیں کی جا سکتی۔ مثلاً مسیح یہودیوں میں پیدا ہوئے۔ اس وقت ان کے سامنے فقیہی اور فریسی وغیرہ لوگ تھے چنانچہ انجیل کے مخاطب زیادہ تر یہی نظر آتے ہیں۔ مروجہ تورات میں اس قدر تضاد ہے کہ عقل اسے الہامی کتاب تصور کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ اس میں بنی اسرائیل کے سوا اور کسی سے بھی خطاب نہیں کیا گیا۔ بدھ کے ملفوظات میں بھی صرف ہندوستانی رسوم و رواج اور عقائد مذکور ہیں جن کی اصلاح یا تطہیر مقصود تھی بدھ کے اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ وہ برہمنی نظام کو منسوخ کر کے انسان کی نجات کا اپنا طریق پیش کرنا چاہتا ہے۔ ایرانی پیغمبر زرتشت سے منسوب کتاب اوستا میں جن عوامی نقائص کا بیان ملتا ہے وہ اس کے اپنے ہی ملک کے سابقہ مذاہب کے اثرات تھے چنانچہ زرتشت کو صرف انہی کی اصلاح مقصود تھی۔ ویدوں میں صرف ستلج اور بیاس ہی کی مہا کی گئی ہے۔ ہندوستان کی حدود کو عبور کرنا سخت پاپ قرار دیا گیا ہے اور طبقاتی اونچ نیچ کا ذکر جگہ جگہ محض برہمنی تفوق کو برقرار رکھنے کی خاطر کیا گیا ہے۔

جہاں تک اجتماعی زندگی کا تعلق ہے عیسائیت نے معاشرہ کی ترتیب و تنظیم کے بارے میں کوئی واضح ہدایات نہیں دیں۔ یہ مذہب ابتداء ہی میں قیصر کے حق میں جہانبانی سے دست بردار ہو چکا تھا۔ نوع انسانی کے اتحاد کے سلسلہ میں البتہ اس نے کسی قدر دلچسپ ضرور لی ہے' مگر اس معاملہ میں اسے کبھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی موجودہ عیسائی دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ نسلی بلوے اس کا روز مرہ کا دستور بن گئے ہیں۔ ایک ہی تہذیبی' ایک ہی مذہبی اور ایک ہی جیسے نام ہونے کے باوجود کالے اور گورے کبھی ایک ہی کلیسا میں جمع نہیں ہو سکے۔ بدھ مت نے دنیا اور اس کے معاملات اور ریاست یا معاشرہ کی تشکیل و تعمیر وغیرہ کے بارے میں عیسائیت سے بھی زیادہ بے تعلقی برتی ہے' اس کے مذہبی نظام میں انسانی معاملات

Marfat.com

کے بارے میں کوئی احکامات نہیں ملتے۔ بدھ کی ہدایات کی حیثیت صرف اسی قدر ہے کہ انسانی جسم کے قفس میں محبوس انسانی روح کو رہائی دلوائی جائے۔ معاشرتی معاملات سے اسے کوئی تعلق نہیں' بلکہ دنیا سے گریزپا رہنے کے لئے اس نے کچھ تجاویز ضرور پیش کی ہیں۔ ہندو دھرم نے انسانی وحدت کے لئے بجائے کوئی بنیاد فراہم کرنے کے اسے پارہ پارہ کرنے کی عدیم النظیر کوشش کی ہے' انسانی رشتوں کو پھاڑنے اور انسانوں میں افتراق پیدا کرنے کی بدتر مثال برہمنی سیادت سے زیادہ کوئی گروہ پیش نہیں کرسکا۔ نسل انسانی کی ایک شاخ کو پیدائشی طور پر اچھوت اور ناپاک قرار دینے کا مکروہ فرض صرف ہندو تہذیب ہی ادا کرسکی ہے۔ جہاں ایک ایک فرد کے ذہن میں یہ فلسفہ زبردستی داخل کردیا جاتا ہے کہ اپنے سابقہ جنم کے اعمال کی پاداش میں وہ پیدا ہی ذلیل ہوئے ہیں اور اس پیدائشی ذلت سے کبھی نجات نہیں پاسکتے۔ آریہ نسل دنیا کی وہ واحد نسل ہے جس نے انسان کو انسان پر ترجیح اور نسل کو نسل پر برتری کے تخیل کو فلسفیانہ تصور تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اسے معاشرے کی عملی زندگی میں معاشرتی جڑوں تک اتار دیا ہے۔ یہودیت اور دین زرتشت کی نسل پرستی نے بھی یقیناً انہیں اس قابل نہیں رکھا کہ وہ انسانی اتحاد کے قیام میں کام آسکیں۔

اسلام کے سوا تمام مذاہب کی حیثیت قومی یا نسلی مذاہب کی ہے اور اپنی اصلیت میں ہر ایک مذہب کسی مخصوص قوم کی اصلاح کی خاطر آیا تھا۔ کالے گورے رنگ و نسل اور امیر و غریب کی تفریق صرف اسلام ہی نے عملاً ختم کردینے کی ذمہ داری اٹھائی ہے۔ الہامی کتابوں میں سے بھی صرف قرآن ہی ایسی کتاب ہے جس کی صحت کا اعتراف دشمنوں کو بھی ہے اور جو اپنے اعجاز کو بطور دعویٰ کے پیش کرتی ہے۔ عقاید اور تعلیمات میں جس قدر انسانی فطرت کا لحاظ اسلام نے رکھا ہے وہ بلاشبہ اور کہیں نہیں پایا جاتا۔ خدا کی ہستی کا تصور جس قدر واضح انداز میں اسلام نے پیش کیا ہے کسی دوسرے مذہب و ملت نے نہیں کیا۔ اور ■ تمام جذبات' تخیلات' عبادات' اعتقادات جو کسی معبود کے لئے ہونے چاہئیں اسلام نے خدائے واحد کی ذات سے وابستہ کردیئے ہیں۔ الہامی ہدایت کا

دعویٰ کہنے کو تو تمام مذاہب کو ہے۔ مگر دور حاضر میں اسلام کے سوا کسی الہامی مذہب کی تعلیمات محفوظ نہیں ہیں۔ دوسرے مذاہب اور اکابرین مذاہب کی عزت کا جس قدر خیال اسلام نے رکھا ہے اس کی مثال بھی کوئی اور مذہب پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اسلام یہ تسلیم کرتا ہے کہ وہ پہلا مذہب نہیں بلکہ اس سے قبل بھی دنیا کی تمام اقوام میں انسان کی ہدایت کے لئے پیغمبر آتے رہے ہیں۔ " وان امتہ الا خلا فیھا نذیر " اور اپنے عہد کی محدود ضروریات اور تقاضوں کے مطابق وہ سب سچے اور برحق تھے۔ بعد میں ان کے پیش کردہ عقاید و اعمال میں بگاڑ پیدا ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اصل روحانی احکامات مسخ ہو گئے اور ان کا روحانی چشمہ مکدر ہو جانے کی وجہ سے اب دوسروں کو سیراب نہیں کر سکتا تھا۔ ان کی تنسیخ اس لئے لازمی تھی کہ اول تو ان کی پیش کردہ تعلیمات وقتی تھیں اور دوم اس لئے کہ پہلی کتب کی اصل تعلیم محرف و مبدل ہو چکی ہے۔ اس لئے انسان کا ان پر عمل کرنا آج چنداں سود مند نہیں۔ اسلام واحد مذہب ہے جس کی الہامی کتاب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ تمام انسانوں اور تمام زبانوں کے لئے ہے۔ ہر مذہب میں کچھ نہ کچھ خوبیاں ضرور پائی جاتی تھیں مگر مرور ایام سے اور ان مذاہب کے متبعین کی ناقدری کے سبب وہ سب ضائع ہو کر رہ گئیں یا کچھ اس طرح مسخ ہو گئیں کہ آج انسان کے فطری تقاضوں کا ساتھ نہیں دے پاتیں۔

ان حالات میں اگر یہ کہہ دیا جائے کہ اسلام کے سوا دنیا کا کوئی نظریہ' کوئی فلسفہ نہ پہلے کبھی تھا اور نہ اب ہے جو انسانیت کے اجتماعی مفاد کی حفاظت کی ضمانت دے سکے تو یہ نادرست نہ ہو گا۔ صرف یہی ایک ایسا نظریہ حیات ہے جو دین اور دنیا کے تقاضے کامیابی کے ساتھ پورے کر سکتا ہے اور پوری نوع انسانی کو ایک خاندان تصور کرتا ہے۔ سب انسانوں کو " یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثی " کہہ کر عالمی برادری کی بنیاد رکھتا ہے اور " وجعلنا کم شعوبا و قبائل لتعار فوا " کہہ کر قومیتوں کی تقسیم کا واحد مقصد محض تعارف قرار دیتا ہے تصادم نہیں۔ قومیتوں کا وجود فطری ہے اقوام اور قبائل کے وجود کا مقصد باہمی تعارف اور تعاون کے لئے ایک مضبوط بنیاد کی فراہمی ہے۔ کسی نسل کو کسی دوسری نسل کا

غلام بنانا نہیں۔ نہ کوئی فضیلت جتاتا ہے کیونکہ اسلامی نقطہ نظر سے فضیلت کی بنیادیں قوم، نسل، رنگ یا خون پر نہیں بلکہ اخلاق اور خدا کے ڈر پر ہیں جیسا کہ قرآن کہتا ہے: "ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم" اور یہ نظریہ محض فلسفہ نہیں بلکہ اس کے مطابق ایسے معاشرہ کی تشکیل کامیابی سے کی جاتی رہی ہے جس میں نسل، رنگ، زبان اور قومیت کے تمام امتیازات ختم کر دیئے گئے۔ یہ تہذیبی اور تاریخی حقیقت دنیا میں صرف اسلامی نظریہ حیات ہی نے پیش کی ہے جو رنگ، نسل، وطن، قومیت اور زبان کی تفریقوں کو مٹا کر بنی نوع انسان کو ایک عالمگیر برادری بنانے میں کامیاب ہوا ہے۔ رنگ و نسل کے اتفاقی حادثہ کی قطعی نفی دنیا کی تاریخ میں فقط اسلام ہی کی پہلی کامیاب کوشش ہے۔ اسلام نے رشتہ انسانیت اور عبودیت کو ہر چیز کے تعلق سے بلند تر قرار دیا ہے۔ اور تقویٰ کو اس کی بنیاد ٹھہرایا ہے۔ عزت کی اساس دنیاوی جاہ و حشم اور رنگ و نسل کا تصور نہیں بلکہ خوف خداوندی ہے۔ مطلق مادیت انسان کے نفسی اور اخلاقی تقاضوں کو کبھی آسودگی نہیں بخش سکتی۔ نفس مطمئنہ کے حصول کی راہ وہی تسلیم کرنا پڑے گی جو اسلام نے دکھائی ہے کیونکہ اشتراکیت ہو یا سرمایہ داری، مادیت کا عفریت انسانی قلوب میں اخلاقی قدروں کے حصول کے لئے کبھی اضطراب پیدا نہیں کر سکتا۔ مذہب کے دو حصے ہیں۔ حقوق اللہ کی ادائیگی یعنی عبادات اور حقوق العباد کی نگہداشت۔ اس بارے میں تمام مذاہب نے یا تو افراط سے کام لیا ہے یا تفریط سے حالانکہ جب تک مذہب کی یہ دونوں اغراض اعتدال کے ساتھ پوری نہیں ہوتیں کوئی مذہب کامل کہلا ہی نہیں سکتا۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جو ایک طرف انسان کا تعلق اگر خدا سے پیدا کر سکتا ہے تو دوسری طرف بنی نوع انسان کی فلاح کے تصور میں بھی پوری پوری دلچسپی لیتا ہے۔ اور افراط و تفریط سے اجتناب کر کے میانہ روی کا منہاج عطا کرتا ہے۔

مذہبی وجدانات اور افکار کو پرکھنے کا منصفانہ طریق یہ ہے کہ ان میں تین امور کا پتہ چلایا جائے۔ اول یہ کہ ان میں براہ راست کہاں تک صداقت کی روشنی کا احساس ہوتا ہے، دوم یہ کہ ان میں کس حد تک فلسفیانہ معقولیت موجود

Marfat.com

ہے اور سوم یہ کہ اخلاقی زندگی میں وہ کہاں تک ممد و معاون ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ مذہب کسی ایک اصول کا نہیں بلکہ بہت سے عناصر کا ایک مجموعی نام ہے۔ اسلام بھی جزئیات یا فروعیات کا نام نہیں بلکہ اصولوں اور نظریات کا مجموعہ ہے۔ عبادات قرآنی خدا کی رضامندی کے حصول کے طریق اور مذہبی شعائر مذہب کے صرف اداراتی پہلو ہوتے ہیں۔ اگر اسلام کی تعریف صرف انہی چیزوں کے پیش نظر کی جائے تو پھر اسے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے ایک فن کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا لیکن اسلام کا اصل مفہوم تو اس بات میں پوشیدہ ہے کہ انسان کا تعلق اپنی ذات سے زیادہ حالات و معاشرے سے ہونا چاہئے' شعوری تجربوں سے آگاہی اور عقل و خرد کی دولت کے حصول سے انسانیت کا کسی نہ کسی رنگ میں خدا کے وجود پر ایمان ہی اسلام کی تہذیبی بنیاد ہے۔ جس شخص نے بھی الہامی مذاہب کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے کہ ان مذاہب میں سے کوئی بھی خدا کو محض محرک اول کے طور پر پیش نہیں کرتا۔ اسلام جس خدا کے تصور کو پیش کرتا ہے وہ تجریدی نہیں بلکہ ذات ستودہ صفات ہے جس میں زندگی کی حرارت ہے' جو کائنات کے ساتھ گہری محبت رکھتا ہے' جو صاحب ارادہ ہے۔ علیم و بصیر ہے اور کائنات کے ہر واقعہ سے واقف ہی نہیں براہ راست اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ انسان جب تک ایسی زندہ اور قائم ہستی پر ایمان نہیں لاتا اس وقت تک اسے وہ ذہنی سکون اور قلبی اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا جو مذہب انسان کے اندر پیدا کرتا ہے۔ علت و معلول کی بے جان زنجیریں اور مجرد تصورات انسان کے اخلاقی اور روحانی تقاضے پورے کرنے سے ہمیشہ قاصر رہے ہیں۔ خدا تہذیب اور انسان کا آپس کا رشتہ اسلام کا فکری دائرہ عمل ہے۔ زندگی جو بدھ مت کے نزدیک ایک لعنت سے کم نہ تھی اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اسے ایک نعمت سمجھ کر برتنے کا حکم دیا ہے۔ " من حرم زینتہ اللہ التی اخرج لعبادہ من الطیبت" محض شخصی طور پر روحانی سکون کا حصول اسلام کی منزل مقصود نہیں۔ ورنہ پیغمبر اسلام کبھی غار حراء سے باہر آنا پسند نہ کرتے' انہوں نے سکون پر ہمیشہ حرکت کو فوقیت اور ترجیح دی' اور ہجرت اور جہاد کے حرکی اور انقلابی اصول دنیا کو

Marfat.com

بخش دیئے۔ پیغمبر اسلام نے بلند تر مکارم اخلاق کو اسلامی معاشرے کی اصل روح قرار دیا۔ دین و دنیا کی تفریق کو مٹا دیا اور اس بات میں اسلام کا کسی دوسرے عقیدے کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اسلام میں روح عصر کو جذب کرنے کی کوئی قوت یا صلاحیت نہیں۔ اگر ایسا ہوتا اور اسلام نے روح عصر سے اغماض برتنے کا سبق دیا ہوتا تو شاید اپنے آغاز ہی میں زوال آمادگی کا شکار ہو جاتا۔ اسلام کا بخشا ہوا یہ احساس کوئی معمولی نہیں کہ زندگی کوئی مجرد شے نہیں ہے۔ اسلام پہلا مذہب ہے جس نے کائنات کے بارے میں یہ عملی نظریہ پیش کیا کہ یہ کارخانہ ہست و بود ایک ضابطہ کے تحت رواں ہے اور کائنات کی بے ربطی اور بے مقصدیت کا نتیجہ نہیں۔ " وماخلقنا السماء والارض وما بینہما لاعبین"

اسلام قید مقام سے ماوراء ہے اور کسی ایک مقام کی ضرورتوں اور تقاضوں کو دوسرے مقامات پر مسلط نہیں کرتا۔ دنیا کی تاریخ میں جو کمال اسلام نے حاصل کیا اور مختلف تمدن رکھنے والوں کے لئے جو کشش اسلام میں پائی جاتی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو کبھی بھی کسی خاص خطے یا خاص لسانی گروہ' قوم یا خاص مروجہ تمدن کے لئے محدود نہیں کیا۔ قرآن کی زبان بے شک عربی ہے لیکن اس میں کسی قسم کی لسانی تہذیبی یا نسلی عصبیت کا پتہ نہیں ملتا۔ البتہ اس قسم کی عصبیتوں کے خلاف ایک رجحان قرآن میں ضرور پایا جاتا ہے۔ اسلام دنیا کی وہ پہلی تحریک ہے جس نے عمل اور فکر کی وحدت کا اثبات کیا ہے۔ یہ انسانی فہم و بصیرت پر خدا کے اعتماد کا دوسرا نام ہے اور اس بات کا اعتراف اس آیت میں موجود ہے کہ " انی جاعل فی الارض خلیفۃ" اسے محض تصوف اور روحانیت کہہ دینا بہت بڑی تاریخی ناانصافی ہو گی۔ کیونکہ اس نے اپنے آپ کو ایک معاشرہ اور باقاعدہ نظام کی حیثیت میں دنیا کے سامنے رکھا ہے۔ اسلام اپنے کلیات' مجردات اور اخلاقی تعلیمات کو زندگی کی جزئیات پر منطبق کر کے ایک دستور کی تشکیل کرتا ہے۔ قرآن اور اسوۂ رسول کی وساطت سے اسلام کے اکثر احکامات کی علت اور مصلحت واضح الفاظ میں بیان کر دی گئی ہے جو اس بات کی

Marfat.com

دلیل ہے کہ اخلاقی ترقی عقلی ترقی کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ عقل ہی وہ رہنما ہے جو انسان کو بدلتے ہوئے حالات سے ہم آہنگ کرتی ہے۔ زندگی سے گریز بدھ مت ویدانت اور عیسائی تصوف کا افیونی سبق تھا جو ان تحریکوں نے انسانیت کو دیا۔ اسلام اس خانقاہیت کا قائل نہیں۔ یہ وہ نظریے ہیں جن کی رو سے روحانیت جیتے جاگتے انسانوں کے باہمی تعلق سے کوئی سروکار نہیں رکھتی۔ ان میں اور اسلام کے نقطہ نظر میں افادی پہلو کا فرق ہے۔ دبستان انسان اور خدا کے شخصی تعلق کو مذہب قرار دیتے ہیں۔ اسلام یہی تعلق معاشرے کے توسط سے قائم کرنے کا داعی ہے اسلام کی تکمیل انسانوں کے باہمی تعلق سے ہوتی ہے۔ خدا اور انسان کا رشتہ بعد میں استوار ہوتا ہے۔ "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ" معاشرے کی اجتماعی ہیئت اور ساخت کا اثر فرد کی شخصیت پر اسلامی نقطہ نظر سے فیصلہ کن ہوتا ہے جو علم کے وسیع مفہوم کا قائل ہے۔ دیگر مذاہب کی تعلیم کے بالکل برعکس محض تقدیر کو انسان کی جہالت اور قوت عمل کے فقدان سے تعبیر کرتا ہے' کیونکہ دنیا میں کوئی امر تقدیری نہیں ہے کوئی اندھی اور بہری تقدیر معاشرے کو انقلابی رخ عطا نہیں کرتی۔ یہ انسان کی اپنی ذات ہے جو حالات کے دھاروں کا رخ بدل دیتی ہے "ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم" اپنے آپ کو حالات کی نزاکت کا ساتھ دینے کے لئے تیار کرنا فطری امر ہے ورنہ زمانے کی رفتار سے پیچھے رہ جانا پڑتا ہے' اور پیچھے رہ جانے والوں کے لئے اسلامی نظام حیات میں کوئی جگہ نہیں۔ صفحہ ہستی پر عام تغیرات کی ذمہ داری سراسر انسان پر ہے۔ قرآن کشف و الہام کے ذریعہ نہیں تفکر اور تدبر کے ذریعہ اشیاء کے حقائق تلاش کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنھار لایات لاولی الالباب

ان فی السموت والارض لایات للمومنین وفی خلقکم وما یبث من دابتہ ایات لقوم یوقنون۔

وفی الارض ایت للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون؟

Marfat.com

افلا یتفکرون؟ افلا یتدبرون؟

وجدان یا الہام عقل انسانی ہی ایک ترقی یافتہ منزل ہے۔ اسلام روح اور مادے میں کسی تضاد کو بھی تسلیم نہیں کرتا۔ روحانی زندگی مادی زندگی ہی کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے۔ وجدان ، انکشاف دلیل کے بغیر بے کار چیز ہو گی۔ قرآن بھی وحی ہے مگر اس میں تمام دعاوی دلیل کے ساتھ نہ صرف پیش کئے گئے ہیں بلکہ قرآن خود بھی طلب دلیل کے اصول کا قائل ہے۔ " **ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین**۔" قرآن اپنے قائل طبقے کو بھی آیات الٰہی کی اندھا دھند پیروی سے منع کرتا ہے۔ " **والذین اذا ذکروا بایات ربھم لم یخروا علیھا صما و عمیانا**" اور آزادی فکر و ضمیر کی اجازت دیتا ہے۔ گویا حسی اور تجربی طریق ہی اسلامی روحانیت کی بنیاد ہے۔ رہبانیت اور خانقاہیت کا وجود اسلام میں نفی کے برابر ہے " **ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم**" اس لئے یہ قدیم عیسائی تصوف کے خلاف ایک طاقتور رد عمل بھی ہے۔ اسلام مزاجی اعتبار سے رہبانیت کے خلاف ہے۔ ذاتی نجات کا تصور اسلامی نظام میں اس وقت تک بے معنی ہے جب تک معاشرے کی فلاح اس کے ساتھ وابستہ نہیں۔ ورنہ ایسی ہر کوشش روحانی خود غرضی کی علامت ہو گی' یہی نقطہ نظر ایجابی ہے ورنہ **تخلقوا باخلاق اللہ** کا حکم کبھی پورا ہی نہیں ہو سکتا۔ جس کا عملی اظہار صرف اور صرف اجتماعی زندگی ہی میں ممکن ہے۔

علم ایک بہت بڑی حقیقت ہے جو اسلام کا مقصد ہے۔ "**علم" ادم الاسماء**" مگر اسلام میں علم سے مراد وہ قوت ہے جو دانش کی عظمتوں میں طبع زاد اضافوں کا باعث بنے اور خدا کے خوف سے صاحب علم کے سینے کو لبریز کر دے۔ " **انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء** اسلام بے شک انسان کو تسخیر کائنات کی اجازت دیتا ہے۔ " **وسخر لکم ما فی السموات و ما فی الارض جمیعا منہ**' مگر اس کے لئے عدل' رحم اور محبت کی صفات کا عملی اظہار بنیادی شرط ہے۔ اسلام انسان کو ایک مجبور محض اور بے بس ہستی نہیں دیکھنا چاہتا بلکہ اسے ایک علت موثرہ کی حیثیت دیتا ہے۔ بے بنیاد آرزوؤں کے سہارے کامیابی کا کوئی تصور اسلام میں نہیں پایا جاتا۔ نہ اسلام کے خدا کو کسی خاص قوم یا خطے سے کوئی نسبت ہے۔ " **لیس با ما**

Marfat.com

نیکم ولا امانی اھل الکتاب۔ من یعمل سوء یجز بہ" کوئی قوم اپنی خوبیوں کے علم سے محروم نہیں کی جا سکتی اور کوئی ملت اپنی برائیوں کی پاداش سے بچ نہیں سکتی۔ " من یعمل مثقال ذرۃ شرا یراہ و من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یراہ" گویا اسلام کا خدا بے آئین اور مطلق العنان نہیں۔ " ان اللہ لیس بظلام للعبید" محض عبادات کی رسمی پابندی سے معاشرے کو زوال آمادگی سے ہرگز نہیں بچایا جا سکتا۔ نہ صرف چند معروف حسنات اور عبادات کی پابندیوں کا نام اسلام ہے۔ رسول مقبول " وما انا بشر مثلکم" کے اعتراف کے باوصف اگر دنیا کے کامیاب ترین انسان ٹھہرے تو صرف اس لئے کہ ان کا وجود اپنے عہد کی تمام رجعتی اور تخریبی قوتوں پر شعوری اور عملی گرفت حاصل کر چکا تھا۔ اور پھر ان منفی قوتوں سے بلند تر ہو کر لوح ہستی پر انہوں نے اپنا نقش کچھ اس طرح جمایا کہ دنیا کا کوئی بھی دوسرا مذہبی رہنما ایسا نہ کر سکا۔ انہوں نے اپنے وجود ہی کو مضر اثرات سے نہیں بچایا بلکہ ہیئت اجتماعی کے لئے بھی ان کی ذات ترقی کی تحریک کا سبب بنی۔ ان میں اور دوسرے انبیاء اور روحانی سربراہوں میں معیار فضیلت یہ بھی ہے کہ صرف انہی کی شخصیت آنے والے ہر دور کے لئے فکر و عمل کے ہر میدان میں دلیل راہ تھی جب تک اقوام عالم کے باہمی رابطے معدوم یا موہوم رہے خدا ہر قوم کے لئے نبی بھیجتا رہا لیکن جب دنیا کی بیشتر اقوام میں ربط اور وابستگی کی صلاحیت پیدا ہو گئی تو خدا نے تمام اقوام عالم کے لئے ایک دائمی اور مکمل شریعت اسلام کی شکل میں پیغمبر اسلام' محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے توسط سے نازل کی۔ پیغمبر اسلام نے ایسی ممتاز اور جداگانہ دعوت دی جس نے انسان کو نہ صرف انفعالیت اور مجہولیت کا شکار ہونے سے بچایا بلکہ ایک حقیقی اور موثر قوت فاعلیہ بنا دیا۔ اسلام نے دنیا کو جمہوریت کی روح سے آشنا کیا۔ اسی لئے خدا نے وحی اور نبوت کا سلسلہ بند کر دیا تاکہ ہم آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد کسی انسان کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں۔ بنی آدم کو حریت کی نعمت سے مالا مال کرنے کے لئے وحی کا سلسلہ ختم کرنا بھی لازمی تھا۔ اور اسی لئے اب آئندہ نسلوں کے لئے اسلام ہی دنیا کا مکمل مدلل اور آخری مذہب' دین یا نظام حیات ہے:

Marfat.com

ان الدین عنداللہ الاسلام

اور قرآن مجید کا یہ خطاب ساری انسانیت سے ہے:

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناہ

اور معاشرتی سطح پر منہاج کے لئے رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وجود ہی معیار ٹھہرتا ہے۔

ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ

Marfat.com

۳۴۲۴۴

منہاج اول

نبوت و رسالت کا استکمال

○

انبیاء کی بعثت کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ ان کے عہد کی کوئی ایسی قوم خدا کی ہدایت سے محروم نہ رہ جائے جو کسی بھی اعتبار سے آس پاس کی دوسری اقوام کو متاثر کر سکتی ہے۔ یا اپنے نسلی دائرے یا جغرافیائی خطے میں کسی بھی لحاظ سے کوئی نمائندہ حیثیت رکھتی ہے۔

انسان کی تہذیب تاریخ پر ایک زمانہ ایسا گزرا ہے (جو خاصا طویل بھی ہے) جب بنی نوع انسان کا اجتماعی شعور ابھی اپنے ارتقاء کی ابتدائی منازل طے کر رہا تھا اور علم و عقل ہنوز تہذیب کی معراج کو نہیں پہنچ سکے تھے۔ لہٰذا اس عبوری دور میں انسان یا اقوام کی ذہنی سطح کے مطابق انبیائے کرام کے واسطے سے انہیں متوازن اور حسب استعداد تعلیمات الٰہیہ سے نوازا گیا۔ یہاں تک کہ انسانی ذہن ارتقاء کی اس منزل تک آ گیا کہ اپنے بدلے ہوئے تہذیبی حالات کے متوازی الہیاتی تعلیمات کو سمجھ سکے، اپنی زندگی پر اس کا نفاذ کر سکے اور شعوری طور پر اس بات کو محسوس کر سکے کہ شعوب و قبائل محض پہچان کا ذریعہ ہیں۔ ورنہ انسان خواہ وہ کسی بھی رنگ و نسل اور خطے سے متعلق ہو نفی الاصل ایک ہے۔ اس تصور کو جلا بخشنے کے لئے اور اس حقیقت کو نکھارنے کے لئے بالکل اس اعزاز پر خدا کا شکر بجا لانے کے لئے بالآخر ذات احدیت نے انسانوں میں ایک انسان کو آخری نجات دہندہ بنا کر اس دنیا میں بھیجا۔ ایک آخری کتاب اس کی وساطت سے نوع انسانی کو عطا کیا۔ جس میں سب سے پہلا اعلان انسان کی زبان سے ان الفاظ میں کرایا کہ!

Marfat.com

الحمدللہ رب العلمین

اس لئے کہ انسان کا تہذیبی شعور اب واقعی اس درجے پر آچکا تھا کہ اس بے پایاں اور ہمہ گیر نعمت پر ہر لحہ خدا کا شکر واجب تھا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انسانی تاریخ کے اس موڑ پر دنیا میں تشریف لاتے ہیں جو انسان کی روحانی تہذیب کا تکمیلی دور ہے۔ یہ انسانی تہذیب کا وہ اہم موڑ ہے جب علی العوم انسان اس بات کی صلاحیت حاصل کر چکا ہے کہ امت واحدہ کا فرد بن کر اپنا عرصہ حیات مکمل کرے اور بہترین نقوش ثبت کرنے کے اس دنیا سے رخصت ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد اور آگے آنے والے ہر عہد کے انسان کو یہی باور کرانے کے لئے تشریف لائے تھے کہ فی الحقیقت انسانیت کے اس مرحلے پر انسان کن اہلیتوں سے سرفراز ہو چکا ہے اور تاریخ میں اب اسے اپنا مرتبہ اور مقام کس قسم کی زندگی گزار کر متعین کرنا ہے۔

انسان کی تاریخ کے جس عہد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اسے خدا کی ربوبیت کی انتہاؤں کا دور بھی کہا جا سکتا ہے۔ اور اس لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسان کی موجودہ نشاۃ ثانیہ میں دوسرے آدمؑ قرار پاتے ہیں ـــــ پہلے آدمؑ کے ساتھ انسان کے شعور کی طفولیت کا آغاز ہوتا ہے۔ درمیانی عرصہ میں اس نے اپنے سفر شعور کی مختلف منازل طے کیں۔ جس میں نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بہت نمایاں سنگ ہائے میل ہیں۔ یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد انسانی تہذیبی شعور کی آخری منزل بن جاتی ہے۔ کیونکہ یہ اعلان پچھلے کسی پڑاؤ پر نہیں سنا گیا جسے رسالت و نبوت کے آخری پڑاؤ پر انسان نے یوں سنا ہے کہ آج سے دنیا بھر کا انسان ایک انسان ٹھہرا دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس کا خدا ایک ہے۔ لہٰذا عقائد کے تمام دھاروں کو توحید کے ایک ہی سمندر میں جذب ہونا چاہئے۔

خدا کی وحدت کی طرف انسان کی وحدت کا اعتراف بھی ضروری تھا۔ کیونکہ یہی انسان کی روحانی تاریخ کی آخری معراج کمال ہے۔ جس کا اظہار ان الفاظ کے ساتھ فرما دیا گیا ہے کہ کلکم ابناء ادم و ادم من تراب (تم میں سے ہر

Marfat.com

ایک آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ کی تخلیق مٹی سے ہے) لہٰذا تمہیں ہمیشہ اس وحدت خلقی کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

مفترق انسانیت کے سابق تجربات اس زاویے سے کئے جاتے تھے کہ خدا نے انسانوں کو مختلف علاقوں میں ماحول اور طبائع کی رنگارنگی کے ساتھ پیدا کیا اور ہر ماحول کے مطابق ہی مختلف روحانی ہدایات سے بھی انہیں نوازا ہے تو لامحالہ خدا کی نگاہ میں بھی مختلف اکائیاں ہیں۔ اور انہیں اپنے ان اختلافات ہی پر قائم رہنا چاہئے۔ لیکن انسان کو زمین پر ہمیشہ بٹے رہنے ہی کے لئے پیدا نہیں کیا گیا تھا۔ اسے اگر ایک عرصے تک پھیلاؤ کا سفر کرنا تھا تو اس کے لئے ایک وقت سمٹاؤ کا سفر بھی ضروری تھا۔ چنانچہ آج کے انسان کو بہ حیثیت مجموعی دیکھا جائے تو وہ بیک وقت دو سفر کر رہا ہے۔ آفاقی وسعتوں میں پھیلاؤ کا بھی۔ اور دوسری طرف اپنے مرکز وحدت کی سمت سمٹاؤ کا بھی۔ چنانچہ مختلف نسلوں اور تمدنوں کے انسان بتدریج ایک دوسرے کے قریب آ رہے ہیں۔ اور وہ دن زیادہ دور نہیں رہ گیا ہے کہ جب وہ **کان الناس امۃ واحدۃ** کی تاریخ کو دہراتے ہوئے ساری روئے زمین پر وحدت در کثرت کا نمونہ پیش کر دے گا۔ اور یہ وحدت ایک طاقتور باطنی اور انسانی وحدت ہو گی جسے روحانی اور دینی وحدت کہنا چاہئے۔

یہی وہ وحدت دینی و انسانی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واضح اعلان کروا کر قائم کر دیا ہے کہ **قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا** (اے پیغمبر! اعلان کر دیجئے کہ اے تمام انسانو! میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں)۔ دوسرے لفظوں میں تم سب انسان اب صرف میری امت قرار دیئے گئے ہو لہٰذا تمہیں ایک ہی مرکز (اسلام)۔ پر مجتمع ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اسی ہمہ گیر مشن کو ڈیڑھ لاکھ انسانوں کے سامنے ان عالمگیر ابدی الفاظ میں پیش فرمایا کہ:

"—— لوگو بے شک تمہارا رب ایک ہے اور جد اعلیٰ بھی ایک ہے۔ تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں۔ آدمؑ مٹی سے بنایا گیا تھا۔ خدا کے ہاں صرف وہی معزز ترین ہے جو سب سے زیادہ خدا خوف ہے۔ عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو

Marfat.com

سیاہ اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ برتری کی بنیاد صرف تقویٰ ہے۔"
(طبری)

خدا کو صرف ایک قبیلے بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص کر کے بھی دیکھا گیا۔ خدا کے نور کو ایران کی سرزمین کا ورثہ بھی قرار دیا گیا۔

انسان کو خدا کا بیٹا بھی بنایا گیا ہے۔ ویدوں کی مذہبی عبارتوں کو غریب اور نادار شودر کی سماعتوں پر حرام کر کے بھی تسکین حاصل کی گئی۔ حصول نجات کے لئے نروان اور آواگون کے چکروں میں بھی انسان کو پھنسانے کی کوشش کی گئی اور بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کی تلاش کے دعوے پر بھی اکتفا کیا گیا لیکن انسان کے اصلی شعور کی تکمیل کہیں بھی نہ ہو سکی۔ اس لئے کہ یہ تمام تر مقاصد اور منہاج محدود' نامکمل اور وقتی تھے۔ ان میں سے کوئی ایک اعلان بھی آفاقی نہیں تھا۔ دنیا بھر کے انسان کو ایک اکائی جانتے ہوئے کسی مصلح' داعی اور پیغمبرؑ نے مخاطب نہیں کیا تھا۔ کرشن نے نہ بدھ نے' زرتشت نے نہ موسیٰؑ نے اور نہ عیسیٰؑ نے

انسان کی روحانی تاریخ میں صرف نبی اکرمؐ کا اعلان ہی ایک اعلان ہے جو ان تمام اختلافات کو ختم کر دیتا ہے جو وقتی' نسلی اور ہنگامی تعلیمات سے پیدا ہوئے تھے لیکن اپنے اپنے عہد کی ضرورت بھی تھے۔

اگر یہ پیغام جس کا دوسرا نام قرآن ہے اور اس کا لانے والا جس کا نام محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے' انسان کو ذات احدیت کی طرف سے عطا نہ ہوتے تو دنیا کی روحانی تاریخ خدا کی احدیت کو ثابت کرنے سے عاجز رہتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسان کے روحانی ارتقاء کی تکمیل کے آخری مظہر تھے۔ اگر جسم کے ارتقاء کا ایک خاص مقام پر پہنچ کر مستقل شکل اختیار کر لینا ضروری تھا تو روح اور شعور کے لئے بھی یہ بات بے حد ضروری تھی کہ نبوت اور رسالت کے حوالے سے بے شمار روحانی منازل طے کرنے کے بعد ایک آخری منزل پر آ کر مستحکم ہو جائے۔ چنانچہ اس آخری استکمالی ضرورت کو نبی۔ آخر صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل نبوت کے ذریعے پورا کر دیا گیا۔

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ انسانی تمدن اور تہذیب دونوں اپنے کمال اور انتہا کو پہنچ جاتے ہیں۔ ساری ترقیات انسانی اعمال میں جو یکسانیت اور سہولت پیدا کرتی ہیں وہ تمدن ہے۔ اور کلچر یعنی تہذیب و ثقافت ان اعمال کا صلہ ہے جو کسی بھی معاشرے میں مذہب اور اخلاق کے حوالے سے پیدا ہوتے ہیں۔

انسانی تاریخ کے ہر عہد میں یہ دونوں ادارے موجود رہے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دفعہ کلچر کو اپنی کلی شکل میں تمام انسانیت کے سامنے پیش فرمایا اور مظہر تکمیل نبوت و رسالت ٹھہرے۔

تمدن اور تہذیب انسان کی تاریخ میں ہمیشہ ساتھ ساتھ نہیں چلے۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ صرف تمدن کا دور رہا اور کبھی صرف تہذیب یا کلچر بلا تمدن کا۔ مثلاً رومنوں کا اقتدار تمدن کا عہد تھا۔ مگر ابتدائی عیسائیت نے صرف کلچر کے فروغ میں حصہ لیا اور کوئی تمدن پیش نہیں کی۔ پھر ایک دور ایسا بھی آیا جب روم عیسائیت کے زیر اثر آیا تو تہذیب تمدن پر غالب آ گئی۔ تا آنکہ آج یورپ میں اس کے برعکس تہذیب' کلچر' اخلاق سب کے سب تمدن کے تابع یا اس کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ بہرحال اسلام سے پہلے نہ کبھی کوئی کلچر آفاقی ہو سکا اور نہ ہی کوئی تمدن عالمگیر قرار پا سکا۔ گویا دنیا اور دین یا دوسرے لفظوں میں مادیت اور روحانیت اکٹھے نہیں ہو سکے۔ تورات کے پیش کردہ نظام میں ان کے اجتماع کی ایک صورت ملتی ضرور ہے مگر وہ بالکل ابتدائی حیثیت کی ہے۔ باقی رہے۔ دوسرے مذاہب۔ تو ان کے ہاں اس کی کوئی بھی صورت دکھائی نہیں دیتی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اس اعتبار سے بھی کاملیت اور جامعیت کی مظہر ہے کہ جب ہم اسلام کی روحانی اور تہذیب تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو بلا شبہ یہ تمدن اور تہذیب کو یکجا کرنے کی کامیاب اور آخری کوشش نظر آتا ہے۔

مختصر معاشروں یا چند اقوام و قبائل کی رہنمائی بے لچک قوانین کے بل پر کی جا سکتی ہے۔ شاید اسی لئے سابق انبیاء کی تعلیمات میں ہمیں عام طور پر کوئی لچکدار

Marfat.com

رویہ نظر نہیں آتا۔ لیکن پوری انسانیت کی رہنمائی ایک ایسی تعلیم کے متقاضی ہوتی ہے جو اپنے اندر لچک رکھتی ہو۔ انسان صنفی اعتبار سے ہم اعضا ہونے کے باوجود اپنے سوچنے کے انداز میں خدا تعالیٰ کی ہر دوسری مخلوق سے مختلف ہے۔ اس ہستی کو ایک وحدت بنانے کے لئے کس قدر ضروری تھا کہ ایک ایسا رسولؐ دنیا کے سامنے آئے جو اس ادارے کی تکمیل کرتے ہوئے تمام انسانوں کو اعتصام بحبل اللہ کی طرف لے آئے۔ یعنی اس کا پیش کردہ نظام۔ زندگی دین فطرۃ بھی ہو اور الدین یسر کا مصداق بھی۔

نبوت اور رسالت دراصل انسان کو نجات کا راستہ دکھانے والے الوہی ادارے کا نام ہے۔ مگر تاریخ ادیان میں بارہا ایسا بھی ہوا ہے کہ وہی مذاہب جو نجات کا راستہ دکھانے کے دعویدار تھے' اپنے دور کی تمدنی ترقیات میں یوں جذب ہو کر رہ گئی کہ ان کے پیرو خدا کا راستہ دکھانے کے بجائے خود ساختہ راستہ دکھانے لگے اور انبیاء کے راستوں کو آہستہ آہستہ تاویلات و تسیحات کی بھٹیوں میں پگھلا کر اپنے پسندیدہ مصالحانہ سانچوں میں ڈھال لیا اور اس طرح خدائی تعلیمات کالعدم ہو کر رہ گئیں۔

اس لئے ضروری تھا کہ ایک آخری نبیؐ آئے تو اس ضمانت کے ساتھ آئے کہ اس کی تعلیمات کو اس کی زندگی کو' اس کے اشارات ابرو کو' اس کے نقوش قلب و قدم کو' اس کے زاویہ فکر و نیت کو اور اس کی خلوت و جلوت کو ہمیشہ کے لئے باقی رکھا اور خلط ملط ہونے سے محفوظ رکھا جائے گا۔ اور جسے ہیشہ ہیشہ کے لئے ادارہ نبوت و رسالت کا بجا طور پر مظہر اکمال ہونے کا اعزاز دیا جاسکے گا۔ یہ آخری نبی کون ہیں؟ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم —— اور ان کے دین کے باقی رہنے کی الٰہی ضمانت کیا ہے؟ **انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ' لحفظون** (یقیناً ہم ہی نے ذکر قرآنی نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے تحفظ کی ضمانت دیتے ہیں)

ایسا بھی نہیں ہوا کہ تہذیب اور کلچر کو نمو دینے والی الہامی تعلیمات تورات' انجیل اور زبور اور غیر الہامی تعلیمات وید' گیتا' ژند اور پاژند یکسر دنیا سے

Marfat.com

مٹ گئی ہوں۔ اوراق میں اپنی محرف و مبدل شکل میں تو یہ آج بھی موجود ہیں۔ مگر خود ان کے ماننے والوں کے نزدیک مستند نہیں رہیں۔ یہ ساری تعلیمات جن پر انسانی کلچر کا اپنے اپنے زمانے میں مدار تھا نہ صرف تاریخی شہادتوں کے اعتبار سے بلکہ اپنی داخلی شہادتوں کی بنیاد پر بھی اپنا مقام ■ مرتبہ کھو چکی ہیں اور یہ بات انسان کے تہذیبی رویے کو غیر مطمئن کر دینے کے لئے کافی ہے۔ پھر وہ تضادات توہمات' غیر عقلی' غیر اخلاقی اور غیر انسانی باتیں اس پر مستزاد ہیں جو ان کتابوں کا حصہ بن چکی ہیں۔ چنانچہ انسانی کلچر کی سابقہ تمام بنیادوں کا زوال قرآن کو بطور آخری مکمل اور دائمی کتاب ثابت کرنے کا سبب بن جاتا ہے کہ چودہ صدیاں گزر جانے پر بھی جس کا استکمال' کیا بلحاظ مضامین' اسالیب' زبان اور اعجاز کے اور کیا بلحاظ اپنی تعلیمات کے' چیلنج نہیں ہو سکا —— اور جب یہ آخری پیغام محفوظ ہے تو پھر اس کا لانے والا بھی تہذیب انسانی کے اہم ترین ادارے یعنی نبوت اور رسالت کا اپنی کتاب کی صورت میں زندہ جاوید تکمیل کنندہ قرار پا جاتا ہے۔

رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے موقع پر یہود بھی اپنے کلچر کے احیاء بذریعہ ادارہ نبوت کے منتظر تھے۔ مگر یہ مقام صرف اور صرف آپؐ ہی کو عطا ہوا۔ اور اس اعلان کے ساتھ عطا ہوا کہ:

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ

(اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کی ذمہ داری کس کے سپرد کرے) (انعام-پارہ 8- رکوع 2)

یہودیوں کی طرف سے یہ بات بار بار کہی گئی کہ: **نحن اولی بالملک والنبوۃ - فکیف نتبع العرب** (نبوت کے اہل اور حقدار تو ہم (ابناء اللہ) ہو سکتے ہیں۔ نہ کہ یہ عرب۔ پھر ہم ان کی پیروی کیوں کریں!) (تفسیر الخازن)

لیکن جب یہود اپنے کلچر کی آپ اپنے اعمال سے نفی کر چکے تھے تو اس ادارے کا بھی اپنی آخری مکمل شکل میں حق بحقدار رسید ہونا لازم ہو چکا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر تکمیل رسالت و نبوت ہونا ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس عظیم الشان دعا کی مقبولیت ہے جو چار ہزار سال

پہلے اسی مقام پر کی گئی تھی اور جس کے الفاظ یہ ہیں: ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایتک ویعلمھم الکتب والحکمۃ ویزکیھم (سورہ بقرہ۔ آیت 129) (اے ہمارے پروردگار ان لوگوں میں خود انہی کے اندر سے ایک رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے) اس آیت میں نبی کی بعثت کی چار اغراض بیان کی گئی ہیں:

(1) آیات الٰہی (معجزات) کے قصے سنا کر دل نرم کرنا

(2) تعلیمات الٰہی پیش کرنا

(3) تعلیمات الٰہی کی حکمتیں سمجھانا

(4) (آپنے اسوہ حسنہ کے ذریعے) انسانوں کو پاکباز بنانے کی سعی کرنا۔

امام فخرالدین راضی رحمتہ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر کے جز سوم میں اس پر ایک خوبصورت بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"انبیاء اور رسولوں کی بعثت سے دین کے متعلق جو فائدہ اٹھایا جاتا ہے' اس کی کئی صورتیں ہوتی ہیں۔

اول: یہ کہ مخلوق میں طبعی طور پر قلت فہم اور ناسمجھی کی صفت پائی جاتی ہے۔ اس ضمن میں نبی۔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی قسم کے دلائل ان کے سامنے پیش کئے۔ قدم قدم پر وضاحتیں بیان کیں۔ اعتراضات دور کئے۔ شکوک و شبہات مٹائے۔ غرض تفہیم آیات میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔

دوم: لوگ اگرچہ جانتے تھے کہ انہیں اپنے مولیٰ کی خدمت کرنی چاہئے لیکن انہیں اس خدمت کے ادا کرنے کا صحیح طریقہ معلوم نہیں تھا۔ چنانچہ آپؐ نے اس خدمت کی صورت بیان فرما دی۔ تاکہ وہ اس خدمت کو بجا لا سکیں اور اس بجا آوری میں اپنی طرف سے کوئی دانستہ یا نادانستہ ایسی غلطی نہ کریں جو مولیٰ کو ناپسند ہو۔

سوم: لوگوں میں طبعاً سستی' غفلت اور ملال کی کمزوری بھی پائی جاتی ہے۔ لہٰذا آپؐ نے ان کے سامنے مختلف قسم کی ترغیبات' ترہیبات اور تنبیہات

Marfat.com

رکھیں جو انہیں اطاعت احکام کے لئے بیدار اور چاق و چوبند کریں۔ اور لمحہ بہ لمحہ ان کے اندر شوق و ولولہ پیدا کرتی رہیں۔

چہارم انسانی عقل کی مثال ایسی ہی ہے جیسے آنکھ کا نور اور یہ بات واضح ہے کہ آنکھ کے نور سے کامل طور پر فائدہ اسی وقت اٹھایا جا سکتا ہے جب کہ سورج کا نور بھی پھیلا ہوا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور عقلی الٰہی سورج کے نور کی طرح ہے۔ جو لوگوں کی عقلوں کو اپنے نور سے تقویت دیتا اور ان کے لئے ان عینی امور کو ظاہر کرتا ہے جو اس کے ظہور سے قبل پوشیدہ تھے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسان کے اس کلچر کو اپنی معراج پر پہنچانے والے ■ آخری نبیؐ اور رسولؐ تھے جو تمدن کو بھی ہمراہ لے کر چلتا ہے نظام چلاتا ہے۔ فیصلے کرتا ہے۔ اور پھر ان فیصلوں کو انسانوں پر بہ نفس نفیس نافذ بھی کرتا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما ارٰک اللہ (النساء: 5-۱) (اے نبیؐ! ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے۔ تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کی دکھائی ہوئی روشنی میں فیصلے کرو۔)

ادارہ نبوت کے حوالے سے امام رازی ہی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ: **لا یجوز ان یبعث اللہ الا مع کمالہ فی العقل و الرای و العلم بالتوحید**" (ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی ایسے کو نبیؐ بنا دیا ہو جو کامل العقل اور صائب الرائے ہونے کے ساتھ ساتھ علم توحید میں بھی کامل نہ ہو۔)

جب دوسرے انبیاء کا یہ مقام ہے تو پھر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل، رائے اور توحید میں اکمل الکاملین ہونا بدرجہ اتم ثابت کیوں نہ ہوگا۔

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کے پانچویں جز میں نبی اور ولی کے استکمال میں فروق بتاتے ہوئے ایک فرق یہ بھی بتایا ہے کہ: **فالولی ھو الانسان الکامل لا یقوی علی التکمیل و النبی ھو الانسان الکامل المکمل** (معلوم ہوا ولی خود تو باکمال ہوتا ہے لیکن دوسروں کو باکمال بنانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اس کے برخلاف نبی وہ ہوتا ہے جو انسان کامل ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو باکمال بنا

Marfat.com

دینے کی طاقت کا حامل ہوتا ہے۔)

بے شک دوسرے تمام انبیاء نے بھی انسانوں کے لئے اپنا اپنا نمونہ چھوڑا بلکہ اپنی زندگی کی روح دوسروں میں پھونکنے کی سعی کی۔ مگر سیرت نبی آخر صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دے رہی ہے کہ تمام انبیاءؑ میں اپنے اصحابؓ کو ستارے بنا دینے والے نبیؐ صرف ایک آپؐ ہی تھے۔ ایسے ستارے جو جامد نہیں تھے بلکہ مولد تھے جن سے قیامت تک سیارے در سیارے پیدا ہوتے اور اپنے سورجؐ کی روشنی کو چار دانگ عالم میں پھیلاتے رہیں گے۔ دوسرے لفظوں میں نبی آخر صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل مظہر رسالت و نبوت ہونے کی ابدی گواہی پیش کرتے رہیں گے۔

سورۂ دخان میں ویسے تو سب رسولوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: انا کنا مرسلین - رحمتہ من ربک (الدخان - آیت 5 - [illegible] یقیناً ہم ہی رسولوں کو تمہارے رب کی طرف سے رحمت بنا کر بھیجتے رہیں ہیں) لیکن رحمتہ للعالمین اور الارحمتہ اللعالمین کا مستقل خطاب فقط رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو عطا کر کے انہیں اکمال رحمت کا مظہر کامل قرار دیا گیا۔

یوں تو ہر نبیؑ نے اپنے مصاحبین کو اندھیروں میں نور عطا کیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور معیت سے جو نور صحابہ کرامؓ کو عطا ہوا وہ بھی اپنی مثال آپ تھا۔ اسی لئے آپؐ نے ایک نشست میں فرمایا: "اگر تمہاری روحانی حالت اور ایمانی کیفیت ہر جگہ ایسی ہی رہتی جیسی میرے پاس بیٹھے ہوئے ہوتی ہے تو فرشتے آ آ کر تم سے مصافحے کرتے"۔ اکمال نور کا یہ مقام اور اعطائے نور کی یہ قوت و قدرت نبی آخر صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا۔ کبھی کسی کو عطا نہیں ہوئی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نور نبوتؐ کے فیضان کو جس طرح اپنا حرز جان بنانے کی کوشش کی اور اپنے آقاؐ کی سیرت کے ایک ایک پہلو کو جس طرح یاد رکھا' پرانی نبوتوں کی تاریخ اس کی کوئی مثال پیش نہیں کرتی —— بے شک ہر نبی کامل ہوا اور اس نے اپنے متبعین کو کامل بنایا بھی لیکن آج سابق انبیاءؑ کی سیرت کے نمونے کہیں بھی نہیں ملتے۔ نہ ان کے متبعین نے انہیں محفوظ رکھا ہے۔ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سیرت طیبہ کسی نبی اور رسول کی وہ

Marfat.com

واحد سیرت ہے جو افراد اور الفاظ ہر شکل میں محفوظ ہے' ہر عہد میں محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی —— اس لئے کہ: انک لعلی خلق عظیم

آپ کی سیرت وہ عظیم الشان سیرت ہے جس کا آئینہ قرآن عظیم ہے۔

اور یہ آئینہ کبھی مدہم نہیں ہو گا۔ کان خلقہ القرآن (بروایت عائشہؓ آپؐ کی سیرت سراپا قرآن عظیم ہے) جس کے تحفظ کی بچی ضمانت انانحن نزلنا الذکر وا نالہ لحفظو کی آیت میں دے دی گئی ہے۔

واقعہ تو یہ ہے تاریخ نبوت و رسالت میں جملہ انبیاء اسلام کا صرف سراغ دیتے نظر آتے ہیں۔ ان کی زندگیوں کا جو کچھ حال معلوم ہو سکا ہے وہ انسان کی تہذیب نفس کے لئے کوئی مکمل اور جامع کلچر یا نظام حیات دیتا نظر نہیں آتا۔ یہ بزرگ ہستیاں دین فطرت کو کامل اور مکمل نہ کر سکیں۔ اس میں ان کی ناکامی کو نہیں بلکہ ان کے مناصب کی حدود کو دخل تھا۔ لہٰذا ان کی صرف وہی سنت محفوظ رہ سکی یا یاد کی جاتی رہی جس میں وہ مظہر کامل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف انبیاء اپنی کسی نہ کسی ایک صفت خاص کے ساتھ متشخص ہیں۔ جبکہ حضور ختمی مرتبت اجتماع کمالات نبوت و رسالت نظر آتے ہیں۔ آپؐ کی ذات میں وہ تمام اوصاف جو دیگر انبیاء اور مرسلین کو الگ الگ عطا ہوئیں' تمام کی تمام شامل ہو جاتی ہیں —— شاید محمد صلی اللہ علیہ وسلم نام بھی اسی جامع استکمال کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کے معنی ہی یہ ہیں کہ حد درجہ تعریف کیا گیا۔ انبیاء سابقہ کے کمالات متفرقہ اور خصوصی صفات کا حضورؐ کی ذات میں جمع ہونا آپؐ کو اسم بامسمی ثابت کرتا ہے۔

قرآن کہتا ہے۔ فبھدیھم اقتدہ (تو ان کی ہدایتوں کو اپنے اندر جمع کر لے۔ اور فرمایا و کان فضل اللہ علیک عظیما تجھ پر تیرے خدا کا فضل سب سے زیادہ ہے۔ گویا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو اب کوئی دوسرا نہ پہنچ سکے گا۔ بلکہ ادارۂ نبوت و رسالت میں بھی اب کوئی دوسرا داخل نہ سکے گا۔ نہ ظلی نہ بروزی۔

زبور میں حضورؐ ہی کے لئے کہا گیا: "خدا نے جو میرا خدا ہے خوشی کے

Marfat.com

روغن سے تیرے مصاحبوں کو زیادہ معطر کیا۔"

تورات میں لکھا ہے کہ: "میں تمہارے بھائیوں میں سے ایک نبی قائم کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو اس کے کلام کو سنے گا میں اس سے مطالبہ کروں گا۔"

گویا قرآن کی موجودگی نے تورات کے نسخ کو خود تورات سے ثابت کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مظہر کامل نبوت و رسالت ثابت کر دیا۔

انجیل نے کہیں دعویٰ نہیں کیا کہ اس کی تعلیم کامل' جامع اور دائمی ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف صاف صاف کہا کہ:

"--- اور بہت سی باتیں تھیں۔ لیکن تم برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب محمدیم (ایا فار قلیط یا بے حد و حساب تعریف کیا گیا) آئے گا تو ... سب کچھ بیان کر دے گا۔"

گویا دونوں بڑے مذاہب نے اپنی تعلیم کو محدودیت کا اعتراف کرتے ہوئے ایک مکمل ہدایت لے کر آنے والے آخری نبی کی نوید سنائی ہے۔ انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ ابھی مکمل الہٰی تعلیم کے بیان کرنے کا وقت نہیں آیا۔ مگر جب فار قلیط یعنی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم آئیں گے تو قرآن کی شکل میں اپنی کامل تعلیم اور بطور ایک معیار کے اپنا اسوۂ حسنہ پیش کریں گے اور اپنی نبوت و رسالت کے کمال کے مظہر بنیں گے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا نے لفظ "قرآن" کے ذیل میں اعتراف کیا ہے کہ: "دنیا کی تمام مذہبی شخصیتوں میں سب سے زیادہ کامیاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔"

یہ اعتراف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انک لعلی خلق عظیم کے تمام مقام پر سرفراز ہونے کے باعث ہی ممکن ہوا۔ جس کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ آپؐ نے تمام انبیائے سابق اور مرسلین کے صحائف اور کتب ، تعلیمات کی تصدیق فرمائی اور ان کے اخلاق فاضلہ کو اپنے اسوۂ حسنہ میں شامل کر لیا۔ بلکہ سورۃ الحدید کی آیت اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا کی زبان میں "اللہ تعالیٰ نے آپؐ

Marfat.com

کے ذریعے سے مردہ زمین کو نئے سرے سے زندہ کیا" یعنی نبوتوں کے تمام اخلاق فاضلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اجاگر ہوئے اور اس لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مکمل ہر نبی کے لئے متمم اور مکمل قرار پاتا ہے۔ آپ کی ذات کی برکت سے دوسرے انبیاء کی مخفی باتوں کو بھی سامنے آنے کا موقع ملا اور تمام کمالات نبوت آپ کی ذات میں تمام ہوئے۔

صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اعن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم--- و کان النبی یبعث الی قومہ خاصتہ و بعثت الی الناس عامتہ۔ (مشکوٰۃ ص 512 بحوالہ متفق علیہ) "مجھے پانچ باتیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔" جن میں سے ایک بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ "مجھ سے پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا مگر میں تمام انسانوں کے لئے نبی بنایا گیا ہوں"

قرآن میں نبوت و رسالت کے تمام علوم جمع ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی جامع اور کامل وحی قرار دی گئی۔ جملہ معارف اور حقدمین کو دی جانے والی ہر روحانی نعمت آپ کو عطا کر دی گئی۔ گویا یوں بھی آپ کی ذات پر کمال نبوت و رسالت تمام ہوا۔

خدا کی حمد اور تعریف انبیائے سابقہ نے بھی کی۔ مگر احمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات میں بھی خدا کی تعریف کو اپنے کمال پر پہنچا دیا۔ اور خدا شناسی کا ایک نیا معیار پیش کیا۔ لہٰذا خدا کا احمد ہونے کے اعتبار سے بھی کوئی نبی یا رسول، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرح کامل اور اکمل نہیں ہے۔ اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبودیت کی حیثیت کا کمال ہے۔

قرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال کی ایک شہادت یوں بھی دی ہے کہ اقرا کا حکم آپ کی ذات کے سوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی دوسرے نبی یا رسول کو نہیں ملا۔ گویا آپ کی تربیت خاص عطائے الٰہی ہے اور یہ تاریخ رسالت میں ایک منفرد اعزاز ہے کہ آپ کی عملی تکمیل بغیر کسی واسطے کے ہوئی۔

مستشرق برش فیلڈ نے اپنی کتاب New Researches میں لکھا:

Marfat.com

دنیا کی کسی قوم نے اتنی جلدی تہذیب حاصل نہیں کی جیسے کہ عربوں نے واقعی اسلام کی بدولت حاصل کی۔" اس تہذیب کے پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ہدایت بخشی کارفرما تھی، جس نے ان گنت انسانوں کو عارف کامل بنا دیا اور ایک شاندار کلچر کی بنیاد رکھی۔ یہ اعزاز دنیا میں صرف ایک ہی انسان کامل کو عطا ہوا جس پر سلسلہ کمالات انسانیہ بھی تمام ہوا اور سلسلہ نبوت و رسالت بھی اور دائرہ استعدادات بشریہ بھی اسی بے مثال ہستی پر اپنے کمال کو پہنچا۔

حق تو یہ ہے کہ وارء الورا، ذات احدیت کو انسانی عقل محض اپنی طاقت سے دریافت کرنے سے قاصر تھی۔ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا پتہ ہمیں نہ بتایا ہوتا۔ چنانچہ اس عالی مقام انسان کی قوت قدسیہ کا مکمل اندازہ دوسرے انسانوں کے بس سے باہر ہے۔ جس طرح اتباع کے لئے بھی صرف رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی واحد ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ نوع انسانی کے اتحاد اور عالم گیر برادری کے مادی، اخلاقی، سیاسی، اجتماعی اور دستوری نشوونما کی ابتدا ہوتی ہے۔ بعثت انبیاء کے ہر مقصد کی تکمیل اسلام نے کر دی اور نبی اکرمؐ کی نبوت و رسالت انسانیت کے لئے ایک عظیم مستقبل کی نوید لے کر آئی۔ اب انسان کے فکر اور وجدان کو ایک ساتھ آگے بڑھنا تھا۔ ہر چند کہ دوسری تحریکوں نے بھی نوع انسان کے قدم کسی نہ کسی اعتبار سے آگے بڑھائے۔ لیکن جو کارنامہ اسلام کو دنیا کے تہذیبی استکمال کے سلسلہ میں انجام دینا تھا وہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کی قطعیت اور خاتمیت نے سنبھالا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مقصد خالصتاً انسانی معاشرہ کو وجود میں لا کر نصب العین، قیادت، اطاعت، آئین حیات، راہ عمل، غرض ہر چیز کو ایک مرکز پر مرتکز کرنا تھا اور یہ مقصد آپؐ نے پورا کر دیا۔ بقول اقبالؒ:

"آپ کی ذات کے ساتھ نبوت اپنے کمال کو پہنچ گئی اور وہ مقصد پورا ہو گیا جس کے لئے اس ادارے کی ابتدا ہوئی تھی۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت اب محض ایک عقیدہ نہیں بلکہ ایک

Marfat.com

ایسی حقیقت سے جسے اسلام کے پیش کردہ تہذیبی معاشرے میں بطور ایک اٹل حقیقت کے قبول کرنا ہو گا۔ کیونکہ عقائد بدل سکتے ہیں مگر حقائق اٹل ہو جاتے ہیں۔

اقبالؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو اسی خیال سے روحانی کے علاوہ ایک سیاسی' اجتماعی ادارہ بھی کہا ہے۔ کیونکہ اگر اس سے مقصود امت واحدہ کی تشکیل ہے تو اس کا مؤسس قائد بھی فقط ایک ہی ہو گا اور ایک ہی رہے گا۔ اس کی کوئی ایسی تعبیر اس نبوت کے استکمال کو مجروح کر دے گی جس سے کوئی جدید ـــــ متوازی قیادت ظہور میں آ سکے۔

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نبوت اور رسالت کو پیش کیا وہ اگر ایک سیاسی اجتماعی ادارہ بھی ہے تو گویا فرد اور جماعت کے لئے منظم اور منضبط زندگی کا اصول بھی ہے۔ قرآن کے بقول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہی اس لئے ہوئی کہ جن "**سلاسل و اغلال**" اور زنجیروں نے انسان کو جکڑ رکھا تھا وہ توڑ دی جائیں۔

اقبالؒ نے لکھا ہے کہ:

"نوع انسانی کے اپنے بلوغ کو پہنچ جانے کے بعد یہ قدرتی امر تھا کہ نبوت بھی اپنے استکمال پر اپنی خاتمیت کی مہر ثبت کر دے۔ اور انسان اب کسی مزید رہنمائی کے انتظار میں مضطرب اور مذبذب نہ رہے۔ اب اسے اپنے آپ پر بھروسہ ہو اور وہ اس آخری نبوت کے سہارے جو اسے عطا ہوئی ہے' اپنی تہذیبی زندگی کا بوجھ آپ اٹھائے۔"

اقبالؒ نے یہ رائے اس لئے قائم کی تھی کہ اس نبوت نے انسان اور انسان کے درمیان مصنوعی حد بندی ختم کر دی ہے۔ خالق اور مخلوق کے درمیان کلیسائی روک مٹا دی ہے۔ حریت' مساوات' آزادی' اخوت اور عدل و احسان کی اقدار ایک حقیقت بن کر معاشرے کے رگ و پے میں سرایت کرنے کے لئے پیش کر دی ہیں اور اب ایک جہان امکان طلوع ہو رہا ہے۔

اقبالؒ اپنے پانچویں خطبے "مسلم ثقافت کی روح" میں لکھتے ہیں کہ

Marfat.com

"پیغمبرؐ اسلام قدیم اور جدید دنیا کے درمیان کھڑے معلوم ہوتے ہیں۔ اپنے پیغام کے ماخذ کے لحاظ سے وہ قدیم دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن اس پیغام کی روح انہیں جدید دنیا سے وابستہ کرتی ہے۔ ان کی ذات میں زندگی نے اپنی جدید رہنمائی کے لئے مناسب اور پہلے سے مختلف ذرائع علم دریافت کئے ہیں۔ اسلام کے ذریعے نبوت اپنے خاتمے کی ضرورت کے احساس کے ساتھ اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔ اس سے مراد اس امر کا شدید احساس ہے کہ زندگی ہمیشہ کے لئے خارجی سہارے کی محتاج نہیں رہ سکتی۔"

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں نبوت اور رسالت اپنے خاتمہ کی ضرورت کے احساس کے ساتھ اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔ اور دیکھا جائے تو ختم نبوت کا مقام مرحلہ وار رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ اپنے انجام کو پہنچا۔

اقبالؒ نے کہا:

"خود شعوری کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ بالآخر انسان محض اپنی استعداد پر انحصار کرنے لگے۔"

انسان کو اس منزل تک لانے کے لئے انبیاء کی تعلیم کا اسلوب بتدریج بدلتا رہا اور یہ بھی ایک طرح سے انسانی اور پیغمبرانہ شعور کا ارتقاء تھا۔

ابوالکلام آزاد نے "ترجمان القرآن" میں اسی خیال کو یوں پیش کیا:

"انبیائے کرام نے بھی وقتاً فوقتاً خدا کی توصیف کے لئے جو پیرایہ تعلیم اختیار کیا وہ اس سلسلہ ارتقا سے باہر نہ تھا۔ بلکہ اس کی مختلف کڑیاں مہیا کرتا ہے۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت و رسالت کے مظہر کامل ہونے کی حیثیت نے دنیا کو عقلیت کے دور میں داخل کر دیا ہے۔ جیسے علامہ اقبال نے کہا ہے کہ:

"اسلام جدید تفکر" اور تجربے کی روشنی میں قدم رکھ چکا ہے۔ اب کوئی ولی یا پیغمبر اسے قرون وسطیٰ کے تصورات کی تاریکی کی طرف واپس نہیں لے جا سکتا۔"

Marfat.com

منہاج دوم

امن و عافیت کا اعلان

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے موقع پر معلوم دنیا کی تہذیبی صورت حال کو قرآن مجید نے بہت مختصر الفاظ میں مگر بے حد جامعیت کے ساتھ پورے واقعہ کے دیباچہ کے طور پر یہ کہتے ہوئے سمیٹ لیا کہ :-

ظہر الفساد فی البر والبحر (الروم: 41)

پوری زمین میں جہاں جہاں انسان کا تسلط اور رسائی تھی' ایک تہذیبی انتشار اور فتنہ و فساد کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ چھٹی صدی عیسوی کی معلوم دنیا کے بارے میں جو قرآن نے حکم لگایا تاریخ اس کی مصدق ہے۔ مثلاً ایران میں مانی نے عیسائیت اور مجوسیت کے امتزاج سے ایک ایسے فلسفہ زندگی کو رواج دینے کی کوشش کی جس میں امتناع نسل اور تہذیب گریز رویہ اختیار کرنے کو ترجیح دی گئی تھی اور مزدک نے عورت کے لئے ماں بیٹی اور بیوی کے رشتوں کا امتیاز ختم کر کے معاشرتی انارکی کو رواج دیا تھا۔ ایران اور روم کے سیاسی جھگڑوں کی زد میں عراق' ایران' مصر اور شام کے بے گناہ عوام حرف غلط کی طرح مٹائے جا رہے تھے۔ مشرقی روم ایرانی حملوں کی پے درپے یلغار سے تہس نہس ہوتا رہا اور مغربی روم پر جرمن وحشی ٹوٹتے رہے۔ مذہبی ابتری اس پر مستزاد تھی۔ حضرت عیسیٰؑ کی بشریت کو جبراً الوہیت میں ڈھالا جا چکا تھا۔ عیسائیوں کے مختلف فرقے آپس میں دست و گریباں تھے۔ مذہبی رہنمائی بدکار پادریوں کے ہاتھوں میں آ چکی تھی۔ جس سے بے چارے عوام کا ذہنی اور باطنی سکون بھی درہم برہم تھا۔ یہ جملہ جارج سیل کا ہے کہ :-

Marfat.com

"اس زمانے میں گرجا کے پادریوں نے مذہب کو پارہ پارہ کر رکھا تھا اور امن، محبت اور نیکی مفقود ہو چکے تھے۔ انصاف اعلانیہ فروخت کیا جاتا اور ہر طرح کی بدعنوانی ہوتی تھی۔"

بالائے عرب، ایران اور رومی علاقوں میں اس ناگفتہ بہ بے سکونی کے علاوہ ہمسایہ ملک مصر بیک وقت ایرانیوں اور یونانیوں کی دست برد کا شکار تھا اور مصری عوام حملہ آور اقوام کے ہاتھوں چوپایوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ بت پرستی کی کثرت نے شرف انسانی کو مجروح کر رکھا تھا۔ دور پرے برصغیر میں اس زمانے کی تاریخ ایک نازک دور سے گزر رہی تھی۔ اری دت نے اپنی مشہور کتاب "ہندوستان قدیم" میں تسلیم کیا ہے کہ اس عہد میں یہاں تین کروڑ دیوتا پوجے جا رہے تھے اور بداخلاق پروہتوں کے ہاتھوں عوام کا ذہنی سکون برباد ہو چکا تھا۔ چھوت چھات اپنے عروج پر تھی۔ شاہراہوں پر آوارہ گرد اور جرائم پیشہ گروہ موجود رہتے تھے۔ جنسی بدامنی کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ ایک عورت بیک وقت کئی مردوں کی بیوی شمار ہوتی تھی۔ چین میں ہن خاندان کے خاتمے کے بعد بیک وقت تین خاندانوں میں خانہ جنگی برپا تھی۔ بیچ میں سوئی خاندان نے چین کو کسی قدر سنبھالا بھی دیا اور امن قائم کرنے کی کوشش کی مگر پھر تائی منگ خاندان کے ہاتھوں صورت حال ابتر ہوگئی۔ ساتھ ہی ساتھ کنفیوشش کی تعلیمات میں بگاڑ نے رسمیات کو اس قدر پھیلایا کہ معاشرہ ذہنی عذاب میں مبتلا ہو کر رہ گیا۔

خود جزیرہ نمائے عرب جہاں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اجداد مکہ کی آبادی میں دو ہزار سالوں سے بھی زیادہ عرصہ سے نسلاً بعد نسلاً سرداری کر رہے تھے اور آس پاس کی عرب آبادیاں جو شام اور عراق سے یمن تک کہیں کہیں موجود تھیں۔ ہر جگہ انسان ذات کے اندر اور ذات کے باہر کے سکون کو کھو چکا تھا۔ سود، جوئے اور شراب کی غارت گری نے پورے عرب آبادی کو گھن کی طرح چاٹ لیا تھا۔ چوری چکاری اور جنگ و جدل کے بازار ہر طرف ہر وقت گرم رہتے تھے۔ پورے خطے کی سیاسی، معاشرتی اور معاشی حالات دگرگوں تھی۔ قبائل کی نہ ختم ہونے والی جنگوں نے پورے عرب کا امن و سکون تباہ کر رکھا تھا۔

عربوں کے پاس تو کوئی الہامی ہدایت پہلے سے موجود نہ تھی۔ مگر حیرت اس بات پر ہے کہ موجود مذہبی کتب کی تعلیمات بھی قیام امن کی بجائے غارت گری اور فتنہ و فساد پر ہی اکسانے کی تعلیم دیتی تھیں۔ ہندوؤں کی مذہبی کتاب "سام وید" میں درج اس ہدایت پر پورا پورا عمل کیا جاتا رہا کہ :-

"اے ویدک دھرمی راجاؤ! اور دوسرے ویدک دھرمیو! تم شیر جیسے بن کر رعیتوں کو کھاؤ اور چیتے جیسے بن کر اپنے دشمنوں کو باندھ کر جکڑ لو۔ پھر اس کے بعد اپنی مخالفت کرنے والوں کے سامنے سے ان کے کھانے تک اٹھالو۔

یہودیوں کی مقدس کتاب "تورات" کے باب استثناء میں زیر نگیں آجانے والی قوموں کے بارے میں لکھا ہے کہ :

"جب خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالے کرے تو تو انہیں ماریو اور محروم کیجئو۔ نہ ان سے کوئی عہد کیجئو۔ اور نہ ان پر رحم کیجئو۔

اور یہ بھی لکھا ہے کہ :

"تم کنعان میں گھس پڑو اور ان کی قوموں کو شکست دے کر اس علاقے میں اپنی قوم کو آباد کرو۔"

ظاہر ہے کہ تورات جو وحی الٰہی تھی اس میں یہودی مربیوں نے یہ ظالمانہ اور امن دشمن تعلیم تحریف کرتے ہوئے داخل کر دی تھی اور یہودی اقوام اس پر باقاعدہ عمل پیرا ہی تھیں وہ "انجیل" جس میں یہ لکھا ہے کہ :

"اگر کوئی تیرے دائیں گال پر تھپڑ مارے تو تو اپنا بایاں گال بھی اس کے سامنے کر دے" اسی میں متی کی انجیل میں یہ بھی درج ہے کہ :

"یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا ہوں صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں۔"

اور یہ بھی متی کی انجیل میں لکھا ہے کہ :

"جس کے پاس تلوار نہیں اپنے کپڑے بیچ کر تلوار خریدے"

اس بارے میں قرآن حکیم کی تعلیم جو نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وحی الٰہی اور اپنے اسوۂ حسنہ سے دی وہ ان مذہبی کتابوں کی تعلیم سے مختلف ہے۔

Marfat.com

امن کی خاطر جارحیت کا مقابلہ کرنے کی تعلیم ہے۔ اسلام جو صلح جوئی پر اکساتا ہے اور لڑائی کی صورت میں بھی امن عامہ کی تباہی کے رویے کی نفی کرتا ہے۔ دنیا میں انسانی آزادی کی حفاظت کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی روشنی میں مظلوموں اور ایسی قوموں کو جن کے خلاف دشمن پہلے اعلان جنگ کر دیتی ہے۔ جنگ کی اجازت دی ہے۔ مگر یہ قیام امن کی دفاعی کوشش ہے' جارحیت ہرگز نہیں۔ یہاں اگر دشمن ہتھیار ڈال دیتا ہے یا صلح کی درخواست کرتا ہے تو فوراً محض قیام امن کی خاطر جنگ سے ہاتھ روک لینے کا حکم دیتا ہے اور تنبیہہ ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی زیادتی نہ کی جائے' احادیث میں بے شمار ایسی ہدایات موجود ہیں جن کا بظاہر حالت جنگ سے تعلق ہے مگر جن سے مقصود محض معاشرتی عافیت ہے مثلاً دشمن کا مثلہ نہ کیا جائے یعنی مقتولوں کے اعضاء الگ الگ کر کے لاش کی بے حرمتی نہ کی جائے (مسلم)

بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے گریز کیا جائے (مسلم)

مذہبی رہنما قتل نہ کئے جائیں (بخاری)

بوڑھے' بچے اور عورتوں کو نہ مارا جائے' ہمیشہ صلح اور احسان کو مدنظر رکھا جائے (ابوداؤد)

مسلمان لڑائی کیلئے نکلیں تو دشمن کے علاقے میں خوف نہ پھیلائیں' اور عوام پر سختی نہ کریں۔ (مسلم)

ایسی جگہ پڑاؤ نہ ڈالا جائے جہاں مقامی آبادی کو تکلیف پہنچتی ہو اور کوچ کے وقت مقامی آبادی کو تکلیف نہ ہونی چاہئے۔ (ابوداؤد)

جنگی قیدیوں کو ان کے رشتہ داروں سے واسطہ رکھنے کی اجازت باقی رہنی چاہئے۔ (ابوداؤد)

ان کے آرام کا خیال رکھا جائے۔ (ترمذی)

امن و عافیت کی زندگی سے مراد ایک ایسی زندگی ہے جو جامد ہو نہ منفیت اور زوال کی طرف رجحان رکھے بلکہ اس کا تہذیبی رخ نمو کی جانب ہو اور معاشرہ اس میں ہمیشہ ارتقاء پذیر رہے۔ عافیت اور امن واقعتاً صرف ایسے ہی معاشرے کو

Marfat.com

نصیب ہو سکتا ہے چنانچہ اول تو اس دین کا مزاج اس کے نام ہی ہے واضح ہو جاتا ہے۔ جو ہر چند کہ اساسی طور پر وہی ہے جو سابقہ تمام انبیاء دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے۔ مگر جو صرف عیسائیت اور یہودیت جیسے ناموں سے پہچانے گئے۔ جبکہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو اپنی مکمل ترین شکل میں محمدیت کے نام سے پیش نہیں کیا بلکہ صرف اسلام کے نام سے دنیا کے سامنے رکھا اور اسلام کا لفظ سلم سے ماخوذ ہے۔ جس کے ایک معنی امام راغب نے اپنی مفردات میں امن و عافیت کے بھی بتائے ہیں۔ جبکہ ایمان اس دین میں شمولیت کی پہلی شرط ہے اور یہ لفظ بھی امن کے مادہ ہی سے مشتق ہے اور سلامتی اور پناہ کے معنی اس میں شامل ہیں۔ اسمائے حسنیٰ میں ایک نام السلام کے معنی بھی امن اور سلامتی عطا کرنے والے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایک نام المومن بھی ہے جس کے معنی بھی امن عطا کرنے والے کے ہیں۔ قرآن مجید میں:

ادخلوا فی السلم کافتہ (البقرا: 208) سبل السلام (المائدہ: 16)

اور دارالسلام کی جملہ تراکیب اپنے سیاق و سباق کے حوالے سے جس بات کے اظہار کے لئے استعمال کی گئیں' وہ یہی ہے کہ سب کے سب امن و سلامتی والی زندگی کے دائرے میں آجائیں اور چاہئے کہ انسان سلامتی اور امن کے گھر تک پہنچنے کے لئے امن کے راستے تلاش کریں۔ قرآن مجید کی لغت کے یہ جملہ الفاظ اور تراکیب اس پیغام کی ایک خاص روح کی طرف اشارہ کرتے ہیں جسے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) بحیثیت پیغمبرامن و عافیت اس دنیا میں لے کر آئے اور آپ نے جس اجتماعی لہجے میں دنیا بھر کے لوگوں کو خطاب کیا۔ قرآن اس کا گواہ ہے۔ تاریخ انبیاء میں آپ' وہ پہلے پیغمبر ہیں جن کا تخاطب کسی ایک قوم' قبیلے' نسل' گروہ یا لسانی اور جغرافیائی وحدت سے نہیں ہے بلکہ پوری نوع انسانی سے ہے۔ اور دنیا بھر کے انسانوں کو آپ' نے ایک پرامن بنیاد پر جمع کرنے کے لئے انہیں ایک ہی آدم کی اولاد قرار دیا۔ تاکہ رنگ و نسل اور زبان و خطے سے تعلق رکھنے کے باعث جو اختلافات ابھر کر دنیا بھر کے امن کو تباہ کر سکتے ہیں ان کی جڑیں کٹ جائیں اور ان امتیازات کی بنیادوں پر جو فسادات ابھرتے ہیں انہیں وحدت

Marfat.com

انسانی کے رشتے کا احساس ختم کر سکے۔ یہ خطاب پوری نسل انسانی کو بحیثیت پیامبر امن و عافیت آپؐ ہی کا تھا کہ

یاایہاالذین امنوا اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ (النساء)

اور یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ سارے انسانوں کا خالق ایک ہے اور وہ سب ایک ہی انسان کی اولاد ہیں اگر وہ حیاتیاتی اعتبار سے ایک ہی نوع سے متعلق ہیں تو پھر باہمی فساد اور انتشار کیوں برپا ہو۔ یہ درست ہے کہ آبادیوں اور نسلوں کے پھیلاؤ میں نسلی حقوق کے احساسات بھی ابھرتے ہیں جو باہمی نزاع کا باعث بن جاتے ہیں۔ مگر قرآن مجید ان نسلی اور قومی گروہوں کے وجود کو بھی کسی باہمی فوقیت کی بنیاد نہیں بناتا۔ بلکہ اس کا موقف یہ ہے کہ اونچ نیچ کا کوئی باہمی تصور ان سے قائم نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ یہ تو صرف باہمی شناخت اور پہچان کی ایک صورت ہے چنانچہ اسے اپنی حد کے اندر رہنا چاہئے۔ اس سے ذات پات کا وہ تصور بہر حال نہیں ابھرنا چاہئے جو بالا آخر معاشرتی امن کو تہہ و بالا کر دینے کا باعث بنتا ہے۔ بات صرف اس قدر ہے کہ:

وجعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم (الحجرات)

انسانی معاشرے میں بالعموم فساد خلق کی ایک صورت اس وقت بھی پیدا ہو جایا کرتی ہے جب انسان اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دینے پر اتر آئے۔ قرآن نے اس رویے کو بھی ایک مثبت شکل دے دی ہے اور برائی کا جواب برائی کے بجائے نیکی اور حسن سلوک سے دینے کی تعلیم دی ہے۔ جو ہر چند کہ ایک مشکل کام ہے مگر اسلام جو انسان دنیا میں کھڑے کرنا چاہتا ہے ان سے اس مشکل ترین کام کی نہ صرف توقع کرتا ہے بلکہ انہیں اس کی تربیت بھی دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن نے کہا:

ولا تستوی الحسنتہ ولا السیئتہ ادفع بالتی ھی احسن فاذالذی بینک و بینہٗ عداوۃ کانہ ولی حمیم و ما یلقھا الا الذین صبروا و ما یلقھا الا ذو حظ عظیم (حم السجدہ)

قرآن نے بزبان رسولؐ بڑی خوبصورت بات یہ کہتے ہوئے ادا کی ہے کہ

Marfat.com

نیکی اور بدی کبھی ہم پلہ نہیں ہو سکیں۔ برائی کا جواب حسن و سلوک سے دینا چاہیے۔ اگر لوگ یہ وطیرہ اپنا لیں تو انسانوں کے تجربے میں یہ بات آئے گی کہ تمہارا دشمن بھی تمہارا دلی دوست بن جائے گا۔ یہ درست ہے کہ انسانیت کے اس بہت اعلیٰ مقام پر وہی پہنچ سکتا ہے جسے اپنے وجود پر قابو اور گرفت ہو اور جس کے مقدر میں خیر اور سعادت کا بڑا حصہ بھی ہو۔

تاریخ عالم کا مطالعہ بتاتا ہے کہ کچھ ادارے ہمیشہ ایسے موجود رہے ہیں جن کے باعث انجام کار فساد خلق اور امن عامہ کی ابتری کی صورت ہی پیدا ہوتی رہی ہے۔ ان میں سے ایک بادشاہت یا آمریت ہے جس سے انسان کی خدائی کا مکروہ تصور ابھر کر انسان کو غلامی کے درجے پر لا کھڑا کرتا رہا۔ قرآن الملک للہ کا تصور پیش کر کے اس ادارے کی نفی کر دیتا ہے اور مشاورت کی بنیاد پر قیام امن کی خواہش رکھتا ہے۔ دوسرا ادارہ سرمایہ داری کا ہے کہ اس میں پھر انسانوں کی اکثریت کے لئے ذلت کے سامان ہیں۔ قرآن پھر دولت کو سرمایہ داروں کے مابین گردش کرتے رہنے کے رجحان کی نفی کرتا ہے اور اس کی بجائے اسے عامتہ الناس میں گردش کے مواقع مہیا کرنے کے احکامات واضح کرتا ہے جس سے معاشرتی امن خود بخود قائم ہونے کے سامان پیدا ہونے لگتے ہیں۔ پھر نسلی گروہ بندی کا ادارہ ہے جس سے استیلا اور مار دھاڑ اور تغلب کا رواج ملتا ہے۔ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عربی اور عجمی کا فرق ہی ختم کر دیا اور فرمایا!

لوگوں کو چاہیے کہ ▪ اپنی قومیتوں پر فخر کرنا چھوڑ دیں' یہی عصبیت ہے۔ اور عصبیت ہی وہ زہر ہے جو قوموں کو جنگ اور بدامنی پر اکساتا ہے"

"نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا! اس کا ہم سے کیا واسطہ جو عصبیت پر اصرار کرے۔"

مذہبی غلو اور شدت پسندی بھی ایک ایسا رویہ ہے جو بلاشبہ معاشرتی امن کا دشمن ہے۔ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ پہلے پیغمبر ہیں جنس نے سابقہ ادیان' ان کے نبیوں کے مساوی احترام کا حکم دیا۔ بلکہ اس رویے کو اسلامی ایمانیات کا لازمی حصہ بنا دیا گیا تاکہ ممکن حد تک ایک دوسرے کے احترام کی صورت پیدا ہو

Marfat.com

سکے اور مذہبی منافرت کو ہوا نہ ملے۔ قرآن نے یہاں تک کہ کر مذہبی بنیادوں پر قیام امن کے رویے کو عام کیا کہ:

"لا اکراہ فی الدین"

یعنی دینی معاملات میں اپنوں بیگانوں کے ساتھ جبر اور اکراہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ سیرت نبویؐ میں کم از کم دو ایسی مثالیں واضح طور پر موجود ہیں جب تبدیلی مذہب کے سلسلے میں ایک ذرا سی دخل اندازی کا سوال اٹھا تو آپؐ نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے دوسروں کو جبراً اسلام کی طرف لوٹانے سے روک دیا۔ ایک موقعہ پر جب ابوالحسین انصاری کے دو جوان بیٹوں نے بعض عیسائی عرب تاجروں کے خیالات سے متاثر ہو کر عیسائیت قبول کر لی اور ان کے ساتھ شام چلے گئے۔ باپ نے حضورؐ سے انہیں لوٹا لانے کی اجازت چاہی تو آپ نے یہی آیت پڑھی۔ مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل یثربی عربوں میں رواج تھا کہ کسی عورت کے بچے پیدائش کے بعد زندہ نہ رہتے تو وہ نذر مانتی کہ اگر اس کا بچہ زندہ رہا تو وہ اسے یہودی بنا دے گی چنانچہ ایسے کئی نوجوان مدینہ میں موجود تھے جو عرب یہودی تھے اور بنو نضیر کے ساتھ شامل تھے۔ جب بنو نضیر کو مدینہ بدر کیا گیا تو انصار والدین نے اپنے بچوں کو ان کے ساتھ جانے سے روکنا چاہا۔ یہ آیت اسی مسئلے پر نازل ہوئی اور معاشرتی عافیت کی خاطر کسی بھی قسم کے مذہبی جبر سے مسلمانوں کو روک دیا گیا۔

غیر مذہب کے ساتھ ایک پرامن رابطہ اور رشتہ قائم رکھنے کے لئے قرآن نے ان مذاہب کے ماننے والوں کو یوں دعوت امن و آشتی دی ہے کہ:

تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم (آل عمران)

اور کہا کہ تم دوسروں کے دیوی دیوتاؤں اور اکابرین مذہب کو برا مت کہو مبادا وہ تمہارے رب کو برا بھلا کہیں۔ مذہبیت کے جنون میں یہی وہ نازک مراحل ہوتے ہیں جہاں باہمی جھگڑے اور فساد کھڑے کیے جا سکتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رویہ قرآنی تعلیمات کے حوالے سے ایسے تمام امکانات ختم کرتا ہے بلکہ:

Marfat.com

"لانفرق بین احد من رسل"

کہہ کر احترام عقائد و مسالک و قائدین مذاہب کی ایک ایسی خوبصورت مثال قائم کر دیتا ہے جس سے مذہبی منافرتوں کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔ کسی شخص یا گروہ کو جبر و کراہ کے ساتھ دائرۂ اسلام میں لانے کی تعلیم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز نہیں دی۔ کیونکہ جبر و کراہ ہی وہ صورتیں ہیں جو معاشرتی ہیئت کے امن و سکون کو تلپٹ کر کے رکھ دیتی ہیں۔ قرآن نے کہا ہے:

افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ ایمان لے آئیں۔

امن و عافیت کے رشتے ہمیشہ عادلانہ رویوں سے قائم ہوتے ہیں اور عدل ایک ایسی چیز ہے جس میں اپنے بیگانے کی تمیز اٹھ جانی چاہئے۔ جانب دارانہ رویہ عدل کی بجائے ظلم کو راہ دیتا ہے۔ اس باب میں پھیلی ہوئی بدگمانیاں معاشرتی فساد کی بنیاد بن جاتی ہیں۔ قرآن نے اس کی جڑ بھی یہ کہتے ہوئے کاٹ رہی۔

ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔" (المائدہ)

کسی قوم کی دشمنی مسلمانوں کو اس قوم سے بے انصافی پر آمادہ نہ کرے۔ دامن عدل کبھی نہ چھوڑو کیونکہ خدا خوفی کے رویے سے یہی زیادہ قریب ہے۔"

معاشرتی زندگی میں ایسے مواقع بھی آ جاتے ہیں کہ دوسروں پر انفرادی یا قومی حیثیت میں زیادتی ہو جائے یا کوئی دوسرا زیادتی پر اتر آئے۔ معافی ▪▪ پہلا اصول ہے جس کا کھلے دل سے اظہار قرآن اور رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) تجویز کرتے ہیں۔ لیکن بعض صورتوں میں جب زیادتی کا جواب دینا ہی لازم ٹھہرے تو قرآن میں حد اعتدال سے بڑھنا اس معاملے میں بھی ہرگز درست نہیں کہا گیا۔

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم "کوئی تم سے زیادتی کرے تو تم بھی اس کے جواب میں اس حد تک جا سکتے ہو جیسا کہ کچھ کہ دشمن تمہارے ساتھ کرے" (البقرا)

ظاہر ہے یہ عوض معاوضہ گلہ ندارد کی حد ہے اور اسی میں عافیت کے

سامان ہیں۔ جیسے قتل کے بدلے میں قاتل کی موت یا قصاص میں معاشرتی نامئیت کے سامان ہیں۔ اگرچہ قرآن یہاں بھی معافی کے رویے ہی کو ترجیح دیتا ہے۔

ولمن صبر و غفران ذالک لمن عزم الامور (زمر)

ہر چند کے اس باب میں صبر اور معافی کی روش اختیار کرنا ایک بے حد مشکل امر ہے اور بجائے خود ایک کٹھن مہم ہے لیکن اللہ تعالیٰ معاشرتی امن کے قیام کی خاطر انسان کے لئے لازم ٹھہراتا ہے کہ وہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتے کیونکہ اس معافی کا صلہ بے انداز ہے جو محض اس لئے دی جائے کہ بربادی کا سلسلہ کسی طور دیر تک اور دور تک نہ پھیل سکے۔

"فمن عفا و اصلح فاجرہ علی اللہ"

صلح جوئی اور معاف کر دینے کی روش اختیار کرنے والے کا صلہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے"

خوبصورت اور جچے تلے معاشرتی قیام امن کے امکانات کی حد تک دنیا کے ہر مذہب و ملت میں بہت کچھ مل جاتا ہے لیکن بات وہاں بگڑتی ہے جہاں کہنے اور کر کے دکھانے میں زمین و آسمان کا فرق نظر آئے' قرآن امت مسلمہ کے سیاسی دائرے میں بھی ایک قوم کی دوسری قوم پر زیادتی کو برداشت نہیں کرتا۔ چنانچہ اس نے صرف قیام امن کی خاطر مسلمان معاشرے کے مسلمان زیادتی کرنے والے گروہ یا قوم کو مل کر سزا دینا تجویز کیا ہے جب تک کہ وہ اپنی غلطی تسلیم نہ کر لے اور معاشرہ میں امن کی صورت حال واپس نہ لوٹ آئے۔

و ان طائفتن من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احداھما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفی الی امر اللہ' فان فاءت فاصلحوا بینھما بالعدل و اقسطوا ان اللہ یحب المقسطین انما المومنون اخوۃ' فاصلحوا بین اخویکم۔ و اتقوا اللہ لعلکم ترحمون (الحجرات)

اسلام گویا ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں اتنی طاقت ہو کہ وہ ہر فرد اور گروہ کو سیدھے راستے پر گامزن رکھ سکے اور معاشرہ دنگے فساد سے بچا رہے۔ چنانچہ اہل ایمان کے لئے واضح ہدایت ہے کہ اگر ان میں دو گروہ لڑائی پر

Marfat.com

اتر آئیں تو معاشرہ کے بااثر افراد آگے بڑھ کر دونوں گروہوں کو سمجھائیں اور لڑائی ختم کرانے کی کوشش کریں۔ لیکن اگر سمجھانے بجھانے سے معاملہ رفع دفع نہیں ہوتا تو معاشرے کو اپنے کمزور اور مظلوم گروہ کی حمایت میں ظالم اور جبر کرنے والے گروہ سے لڑنا چاہئے اور جب یہ باغی اور ظالم گروہ حق کی طرف لوٹ آئے یعنی اپنی زیادتی ختم کر دے تو اس کے خلاف قوت کا استعمال بند کر دیا جائے۔ دونوں کے درمیان اس انداز سے صلح کرا دینی چاہئے کہ کوئی گروہ بھی اس میں اپنی بے عزتی محسوس نہ کرے۔ نبی اکرم صلی علیہ وسلم کا کمال سیرت یہ ہے کہ اپنی زبان سے لوگوں کے سامنے پیش کردہ وحی کو صرف قرآن کی صورت میں ہی تحریری شکل میں دنیا کے سامنے نہیں چھوڑا بلکہ سب سے پہلے خود ان احکامات پر عمل کر کے دکھایا اوار اپنے آپ کو اپنے عمل سے پیامبر امن و عافیت ثابت کیا۔ کسی بھی دوسرے فاتح سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ جب وہ واپس ان لوگوں کے درمیان لوٹتا جنہوں نے تیرہ برس اس پر اور اس کے مٹھی بھر ساتھیوں پر ظلم توڑا اور ہر ستم آزمایا یہاں تک کہ زندگی اجیرن کر دی تو وہ بھی انہی باتوں کو دہراتا اور فاتح کی حیثیت میں اپنا بدلہ لیتا اور یوں معاشرتی عافیت کا بیج ہی مارا جاتا۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ لوٹ کر سب سے پہلا اعلان قرآن کی زبان میں یہی فرمایا کہ:

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء

"آج تم پر میری طرف سے کوئی بھی سرزنش نہیں۔ جاؤ تم امن و عافیت کی زندگی گزارنے کے لئے آزاد ہو۔"

رسم انتقام سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج آشنا ہی نہ تھا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر کتنی خوبصورت مگر کٹھن بات" منتقم مزاج عرب قبائل کے ڈیڑھ لاکھ افراد کے سامنے جن کی اکثریت نئی نئی دائرہ اسلام میں آئی تھی، کہہ دی، ایک بات جو سب کے لئے عافیت کو نظیر کا حکم رکھتی تھی، فرمایا!

لوگو! سن لو میں جاہلیت کی تمام رسوم اپنے پاؤں تلے روندتا ہوں، اور خون کے انتقام کی رسم بھی اپنے پاؤں تلے روندتا ہوں اور خود اپنے بھائی ربیعہ کے

Marfat.com

خون کے مطالبے سے دست بردار ہوتا ہوں۔"

اپنی ذاتی مثال پیش کر کے عرب معاشرے میں اس غارتگری اور سلسلہ در سلسلہ قتل کو روکنے کی ایک عملی کوشش پیش فرمائی جس سے امن عامہ خال پذیر رہتا تھا۔ کتنی دلنواز بات یہ پوچھے جانے پر کہ اسلام کی بہترین اور اعلیٰ صورت کیا ہے؟ آپ نے فرمائی!

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ

امن و عافیت کا قائم کرنے والا مسلمان تو وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ دونوں سے دوسرے لوگ اپنے آپ کو محفوظ اور مامون پائیں۔

اس بات سے انکار ممکن ہی نہیں کہ بعض صورتوں میں قیام امن کے لئے جنگ کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہ جاتا کیونکہ معاشرتی امن کا تقاضہ یہ ہے کہ اس میں فتنے کا وجود ہی باقی نہ رہے۔ اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ فتنہ تو قتل و غارت گری سے بھی خوفناک چیز ہے۔ اس لئے قرآن ایک ایسی جنگ کا قائل ہے جو قیام امن پر منتج ہو مگر امن کو برباد کرنے والوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں لڑنے کا حکم تو دیتا ہے، پر زیادتی کرنے کا حکم ان کے لئے بھی نہیں جاری کرتا۔ اپنے عمومی رویے میں اسلام جارحیت کو رواج نہیں دیتا بلکہ مدافعت کا قائل ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی موقع پر کسی بھی ایسی درخواست کو رد نہیں فرمایا جو قیام امن کے لئے پیش کی گئی ہو۔ صلح حدیبیہ اس کی بین مثال ہے جسے ابتداء میں صحابہؓ نے بادل ناخواستہ قبول کیا تھا اور شاید بعض نے تو اسے اپنی بے عزتی بھی خیال کیا لیکن چونکہ اس کے نتیجے میں ایک فتنے اور جھگڑے کے اسباب ختم ہونے کے امکانات روشن ہوتے تھے۔ یہ شق اس عہد نامے کا باقاعدہ حصہ تھی کہ:

"عرب قبائل کو اس بات کا آزادانہ اختیار ہے کہ وہ چاہیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بن جائیں اور چاہیں تو قریش مکہ کے ساتھ ہو لیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس برس کی صلح اور امن کے مطالبے پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اس لئے کہ قرآن نے یہ حکم جاری کر رکھا تھا کہ:

Marfat.com

"فان جنحو اللسلم فاجنح لہا"

"اگر دشمن صلح پر اتر آئے تو تم بھی صلح جوئی اختیار کرو۔"

چنانچہ اپنی حیات طیبہ میں دشمنوں کی جارحیت کے خلاف جو کچھ مدافعتی جنگی رویہ آپؐ کو اختیار کرنا پڑا وہ مار دھاڑ کی پالیسی پر نہیں تھا۔ اور قیام امن و عافیت کی ایک ممکن حد تک محتاط مدافعانہ جنگی پالیسی تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے بہت مناسب لفظوں میں یوں کہا کہ:

"اصل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کی جگہ مجبور کرنا پسند فرمایا۔"

اور پھر لکھا کہ!

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست قریش کو تباہ و نابود کرنے پر نہیں بالکل کمزور رکھ کر بے بس اور مغلوب کردینے پر مشتمل تھی۔"

ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نظریہ قتال و جہاد کے پیچھے بھی قیام امن کا جذبہ ہی کارفرما تھا۔ یا پھر ایک ایسا جذبہ اصلاح کارفرما تھا جس کا آخری نتیجہ قیام امن کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔

مکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فاتحانہ داخلہ اپنے اندر کئی اعتبار سے آپؐ کو پیامبر امن و عافیت ثابت کرنے کے دلائل رکھتا ہے۔ مہاجرین اپنے اس آبادی شہر میں داخل ہو رہے تھے جہاں ان کا جینا دو بھر کر دیا گیا تھا۔ ان کی جائیدادیں اور اہل و عیال چھینے گئے تھے۔ ان کے کاروبار ختم کر دیئے گئے تھے۔ ان پر کھلے بندوں ظلم و ستم روا رکھا گیا تھا۔ لیکن کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ!

"جو شخص کعبہ میں چلا جائے یا اپنے گھروں کے دروازے بند کر کے بیٹھ رہے یا ابو سفیانؓ کی حویلی میں پناہ لے یا حکیم ابن حزامؓ کے گھر میں چلا جائے گا ان سب کے لئے امن و عافیت کی ضمانت ہے۔"

چند برس پہلے اس شہر کی گلیوں میں بلالؓ کو پتھروں پر گھسیٹا جاتا تھا۔ ممکن ہے ان کے جی میں انتقام کا لاوا ابل رہا ہو مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے

Marfat.com

بھی ایک امن بھری کیفیت میں تبدیل کر دیا جب آپ نے یہ حکم جاری فرمایا کہ:
"جو شخص ابن رویحہؓ کے جھنڈے تلے کھڑا ہو گا جو بلالؓ کے مدنی بھائی تھے اسے بھی امان دی جائے گی اور ساتھ ہی بلالؓ سے ارشاد فرمایا کہ تم ساتھ ساتھ یہ کہتے جاؤ کہ جو کوئی میرے بھائی کے پرچم تلے آ جائے گا اسے امان ہے۔ چنانچہ قریش مکہ نے اس منظر کو دیکھا اور حیرت زدہ ہوئے۔

مکہ کے اندر داخلے سے پہلے جب مدینہ سے چلتے ہوئے ابو سفیانؓ نے صحابہؓ کے لشکر کا جوش خروش اور ان کی تعداد دیکھی اور ایک دستے کے کمانڈر سعد بن عبادہ کے اس جوش بھرے جملے کو سنا کہ:

"آج اللہ نے ہمارے لئے تلوار کے بل پر مکہ میں داخل ہونا حلال کر دیا ہے آج ہم قریش کو ذلیل کر کے رکھ دیں گے۔

تب ابو سفیانؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فوراً ملے اور کہا۔

"یا رسول اللہ! کیا آپؐ نے اپنے لشکر کو اپنی قوم کے قتل کی اجازت دے دی ہے؟

ابھی سعدؓ کو میں نے یہ کہتے سنا ہے۔

فرمایا: ابو سفیان! آج رحم اور امن و عافیت کا دن ہے' سعدؓ نے بے شک غلط کہا۔"

پھر سعدؓ کو حکم بھجوایا کہ فوراً اپنا جھنڈا اپنے بیٹے قیسؓ کے حوالے کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے صرف اس بات کا اظہار مقصود تھا کہ میں بستیوں کو اجاڑنے کے لئے اور جاہلی انداز میں انتقام لینے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ مجھے ہر حالت میں قیام امن کی صورت پیدا کرنا ہے۔ ابو سفیانؓ کے ساتھی حکیم ابن حزامؓ مسلمان ہو چکے تھے۔ انہوں نے صحابہؓ کا لشکر جرار دیکھا تو کہا۔ یا رسول اللہ! "کیا یہ لشکر آپؐ اپنی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے اٹھا لائے ہیں۔ "فرمایا:" ان لوگوں نے گناہ کیا اور ظلم کیا اور تم لوگوں نے حدیبیہ میں باندھے ہوئے امن کے عہد کو توڑ دیا اور بے گناہ بنو خزاعہ کا خون حرم کی حدود میں بے دردی سے بہایا اور حرم جائے امن ہے۔ "حکیمؓ نے کہا' ہاں یا رسول اللہ! یہ تو ٹھیک ہے فتح مکہ

Marfat.com

کے موقع پر دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پالیسی ہی نہ تھی کہ مکہ پر جارحیت کی جائے اور قتل و غارت گری ہو۔ اس موقع پر تو معافی کا اعلان عام تھا۔ اور مکہ کے اندر مختلف سمتوں سے داخل ہونے والے کمانڈروں کو یہ حکم تھا جب تک دشمن ہتھیار نہ اٹھائے تم ہتھیار مت اٹھاؤ۔ پھر یوں ہوا کہ مکہ کی ایک جانب غالباً اعلان معافی کا اطلاع نہ ہو سکی تھی۔ یا ممکن ہے کچھ لوگ مقابلے پر اتر آئے ہوں کہ خالد بن ولیدؓ کا ان سے مقابلہ ہوا اور کچھ لوگ مارے گئے۔ ابو سفیانؓ کی شکایت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً خالدؓ کو طلب فرمایا اور شدید ناراضی کا اظہار فرماتے ہوئے پوچھا کہ تم نے ہتھیار کیوں اٹھا لئے جب کہ میرا پیام امن سارے مکہ کے لئے عام تھا۔ خالدؓ نے صورت حال بیان کی تو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امن و عافیت ہی کا رویہ اپنانے پر زور دیا۔ قلعہ قموص کو خیبر کے علاقے میں فتح کرنے کے لئے علیؓ کو روانہ کرتے ہوئے انہیں لوگوں کو تہس نہس کرنے کا حکم دینے کی بجائے یہ ارشاد فرمایا کہ دیکھو اگر تمہارے ذریعہ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت مل جاتی ہے تو یہ تمہارے لئے زیادہ بڑی نعمت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ کے سامنے امن و عافیت کی ایک تاریخی مثال وہ تحریری عہد نامہ بھی ہے جو آپؐ نجران کے عیسائیوں کے لئے بطور ایک امان نامہ کے لکھوایا۔ اس کے الفاظ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ انسانوں کے درمیان عمر بھر قیام امن ہی کے لئے کوشاں رہے۔ معاہدے میں یہ باتیں محفوظ ہیں کہ:

"نجران اور اس کے اطراف کے باشندوں کی جانیں" ان کا مذہب ان کی زمینیں' ان کا مال' ان کے حاضر و غائب ان کے قافلے' انکے قاصد' ان کی مورتیاں' ان کی امان اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت میں ہیں۔ ان کی موجودہ حالت میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا اور نہ ان کے حقوق میں سے کسی حق میں دست اندازی کی جائے گی اور نہ مورتیاں بگاڑی جائیں گی۔ کوئی اسقف اپنی اسقفیت سے' کوئی راہب اپنی رہبانیت سے اور کلیسا کا کوئی منتظم اپنے عہدہ سے نہ ہٹایا جائے گا اور جو بھی کم یا زیادہ ان کے قبضے میں ہے اسی طرح رہے گا۔

Marfat.com

ان کے زمانہ جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا نہ ان سے فوجی خدمت لی جائے گی اور نہ ان پر عشر لگایا جائے گا اور نہ مسلم فوج ان کی سرزمین کو پامال کرے گی۔ ان میں سے جو شخص اپنے کسی حق میں مطالبہ کرے گا تو اس کے ساتھ انصاف کیا جائے گا نہ انہیں ظلم کرنے دیا جائے گا اور نہ ان پر ظلم ہو گا۔ ان میں سے جو شخص سود کھائے گا وہ میری امانت سے بری ہے۔ اس صحیفہ میں جو لکھا گیا ہے اس کے ایفاء کے بارے میں اللہ کی امان اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ہے یہاں تک کہ اس بارے میں اللہ کا کوئی دوسرا حکم نازل نہ ہو۔ جب تک وہ لوگ مسلمانوں کے خیر خواہ رہیں گے۔ ان کے ساتھ جو شرائط طے کی گئی ہیں ان کی پابندی ہو گی۔ ان کو ظلم سے کسی بات پر مجبور نہ کیا جائے گا۔

(فتوح البلدان بلاذری و کتاب الخراج ابو یوسف)

عہد جاہلیت میں برپا ہونے والی عرب قبائل کے درمیان ایک طویل جنگ فجار کی غارت گری نے بعض عربوں کو یہ احساس دلایا تھا کہ اصلاً جنگ ایک بری چیز ہے چنانچہ ان جڑوں کو کاٹ دینا چاہئے جو جنگ کا باعث بنیں۔ کیونکہ انہی سے معاشرے کا امن و سکون مسلسل تہ و بالا ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ مکہ میں زبیر بن عبد المطلبؓ کی تحریک پر چند نیک نہاد نوجوان عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے اور علاقے میں قیام امن کے لئے ایک انجمن قائم کی جس میں ان باتوں پر حلف اٹھایا کہ ہم علاقے میں بے امنی دور کریں گے' غریبوں کی اعانت کی جائے گی' مسافروں کو پناہ دی جائے گی اور مظلوموں کو ظالموں کے استحصال اور جبر سے رہائی دلائی جائے گی۔ ایک نوجوان کی حیثیت میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اس میں شریک ہوئے مگر کمال یہ ہے کہ شریعت اسلامی کے نزول کے بعد اور پورے ملک عرب کے اپنے اختیار میں آ جانے کے بعد بھی ایک موقع پر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا حضور اب بھی امن کے قیام کے نام پر حلف الفضول کے ڈھب کی کسی تحریک میں شرکت اختیار کرنا پسند فرمائیں گے خواہ اس کا آغاز کسی بھی جانب سے کیا گیا ہو۔ آپؐ نے فرمایا' مجھے حلف الفضول میں اپنی

Marfat.com

شرکت یاد ہے اگر اس وقت مجھے یہ کہا جاتا کہ تم سو سرخ اونٹ قبول کرلو مگر اس معاہدہ امن و آشتی میں شرکت سے باز رہو تو میں اس پیش کش کو رد کر دیتا اور اگر ایسا کوئی معاہدہ آج بھی لکھا جائے تو میں ہر لمحہ اس میں شرکت کے لئے تیار ہوں۔

نعیم صدیقی نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس باب میں رویے پر ایک بے حد خوبصورت عمومی رائے قائم کی ہے جس سے معاشرے میں قیام امن و عافیت کے سلسلے میں آپؐ کی پالیسی بالکل واضح ہو جاتی ہے انہوں نے لکھا:-

"انسانوں کے خوشنما دعوؤں کو پرکھنے کی کسوٹی یہ ہے کہ خدا نے اپنے انبیاء کے ذریعے تعمیر و فلاح کے رشتے کی نشاندہی کس طرف کی ہے۔ عرب کو نزاع کی حالت سے منظم سلطنت کی بلندی پر لانا' قبائلی ٹکڑیوں کو جوڑ کر ایک سیاسی وحدت بنانا' لاکھوں باشندوں کو علم و اخلاق سے آراستہ کرنا اور انہیں امن و انصاف کا ایک نیا دور عطا کرنا ایک ایسا مقدس کارنامہ ہے کہ اگر اس کے لئے قوت کا استعمال روا نہیں تو پھر سرے سے انسانی تاریخ میں قوت کے استعمال کا کوئی بھی مقام باقی نہیں رہ جاتا۔"

قرآن اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات امن و عافیت و اخوت باہمی اور جہاد و قتال اور دفاع کے احکامات میں بربادی اور موت کے سامان پنہاں نہیں ہیں بلکہ ان کی روح میں زندگی کی روح دوڑ رہی ہے۔ اسوۂ حسنہ کا ہر موڑ اس کی شہادت دے رہا ہے۔ سورۃ انفال میں اسی باعث ارشاد ہوا!

یاایھاالذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم

"اے اہل ایمان! اللہ اور رسول کا حکم مانو' جب وہ تمہیں اس کام کے لئے بلائے جو تمہارے لئے زندگی بخش ہو۔"

گویا اسلام اور سیرت کا پیغام محض امن و عافیت کا پیغام نہیں بلکہ زندگی بخش دائمی امن و عافیت کا پیغام ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

منہاج سوم

زیر دستوں کی کفالت

انسانی کی نجی زندگی اور قومی رویوں میں معاشرتی تناسب اور توازن کا بگاڑ اس کی پوری زندگی میں بگاڑ کا باعث بن جاتا ہے۔ یہی ▪ صورت حال ہے جس میں ایک دوسرے پر بے اعتمادی اور شک و شبہ کے اظہار عام ہونے لگتے ہیں اور محبتیں نفرتوں میں بدلنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ سرمایہ پرست معاشرتی ہستیوں میں ایثار و معاونت اور رحم دلی و رواداری کے سطحی اظہارات اسی لئے بے اثر ہو کر رہ گئے اور طبقاتی منافرت عام ہوئی ' خود غرض مستبد رویے فراواں ہو گئے چنانچہ مزدکی اور اشتراکی رد عمل انہی کا فطری نتیجہ تھے۔ مگر یہ ایک دوسری انتہاء تھی دونوں صورتوں میں کبھی اجتماعی مفاد فرد پر اور کبھی فرد اجتماعی مفاد پر قربان ہوتے رہے۔ ان انتہاء پسندانہ رویوں سے معیشت تو بگڑی۔ اخلاقیات کا بھی دیوالیہ نکل گیا۔ یہ مسئلہ شاید انسانیت کی معلوم تاریخ کے ہر عہد میں موجود رہا ہے۔ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیش نظر اس صورت حال کی اصلاح کا ایک منصوبہ بھی تھا جسے انہوں نے تاریخ کی واضح روشنی میں انسانوں کے درمیان رہتے ہوئے مکمل فرمایا۔ ان کے عالم گیر آفاقی پیغام کا ایک حصہ ان کا معاشری اور معاشی رویہ بھی تھا جس کی اہمیت آج بھی بدستور ہے اور ہمیشہ رہے گی کیونکہ اس کی روح وہی ہے جسے جدید معاشی زبان میں اجتماعی تکافل یا Social Solidarity and Beneficience کہا جا سکتا ہے۔ جس میں انسانی معاشرہ ایک جسمی اکائی کی مثال ہے اور جس میں ایک حصے' رخ یا پہلو کی تکلیف دوسرے حصے کی تکلیف ٹھہرتی ہے۔ دراصل تکافل اجتماعی سے گریز ہی معاشرے کا خطرناک انجام بن جایا کرتا ہے۔

Marfat.com

نبی اکرام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جس معاشرتی معیشت کی بنیاد رکھی ہے اس میں ایک فرد کی ضرورت اورحاجت کی برآوری کسی ایک فرد کا سخاوت پر مبنی رویہ نہیں' یہ بات اپنی اس شکل میں انسان کے معاشی یا معاشرتی مسئلے کا حل بھی نہیں ہے۔ یہ ذمہ داری اجتماعی بھی ہے اوراس ذمہ داری کا اہتمام بھی ہے کہ خوشحالی فقط چند افراد یا خاندانوں کا مقدر نہ رہے۔ حیات انسانی کے چند پہلوؤں کی طرح اصولی طور پر وحی الٰہی نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رہنمائی کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کے ہر آنے والے وقتوں کے لئے انہی قرآنی آیات کو اپنے قول و فعل سے عام کیا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا معاشی اور معاشرتی رویہ بھی قرآن کی روشنی میں متعین ہوتا ہے۔ جب قرآن یہ کہتا ہے۔

ووجدک عائلا فاغنی (الضحیٰ)

یعنی یہ کہ پروردگار نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت میں معاشرے کے Down trodden یا روندے ہوئے' پسماندہ' غریب' یتیم' مسکین اور نادار طبقے کے لئے ایک خاص ہمدردی کا جذبہ پایا تو اپنی دولتیں اور اپنے خزانے اور نعمتیں آپ کے سپرد اس حکمت کے تحت کردیں کہ آپ نادار اور بے کس انسانوں کے کفیل بن جائیں اور کمال یہ ہے کہ یہ نعمتیں اور دولتیں صرف مادی ہی نہیں روحانی بھی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی گواہ ہے کہ ہر عہد میں معاشرے کے ہر نادار انسان کے لئے آپ نے ذمہ دارانہ جدوجہد کی۔ خصوصاً" غریب اور یتیم کو جب معاشرے نے سہارا دینے سے انکار کیا تو آپ ان کی حمایت میں عملی طور پر اترے اور اس میں اپنے غیر معمولی رویوں کا اظہار عام کردیا۔ اس تحریک میں آپ کی پہلی شریک حیات ام المومنین حضرت خدیجہؓ بھی اس وقت شامل ہوئیں جب بہت کم دوسرے لوگ ہمراہ تھیں اس عظیم خاتون نے جب اپنے 25 سالہ نوجوان شوہر کی تڑپ اور بے قراری کودیکھا جو معاشرے کے غریب اور مسکینوں کے لئے وہ اپنے دل میں رکھتے تھے اور عملاً" ممکن حد تک اس کا اظہار کرتے رہتے تھے اور معیشت کے مارے موؤں کے کام آتے تھے تو خدیجہؓ نے اپنے تمام تر معاشی وسائل آپ کے تصرف میں دے دیئے اور جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سارے

وسائل کو سائل اور محروم کے حقوق کی ادائیگی میں صرف کیا تو اس کا برا نہیں منایا۔ اس وقت ممکن ہے اور بھی کوئی نہ کوئی ایسا موجود ہو جو سائل اور محروم کے کام آنے کی خواہش دل میں رکھتا ہو اور عدل و احسان کے راستے پر رواں ہو مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کمال ہے کہ آپ ایسا کر کے دکھانے والے پہلے بنے اور معاشرے کے معاشی مسائل کا حل پیش کرنے کی تحریک کو ایک عملی شکل خود اپنے رویے سے عطا کردی۔ یوں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غنی بنا کر ان کی بدولت ہمیشہ کے لئے محروم انسانوں کی پرورش کا ایک مضبوط نظام بھی مہیا کردیا جس پر ہولمحے اور ہر عہد میں عمل پیرا ہو کر مثبت نتائج حاصل کئے جاسکتے ہیں اور کئے جارہے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اپنے غریب اور محروم اور محنت کش ساتھیوں کا غیر معمولی خیال رکھا۔ مدینہ میں ایک بہت ہی معمولی شکل و صورت اور بھدے نقوش والے صحابی اپنی محنت کشی کے دوران کسی جگہ پسینہ میں تر کھڑے تھے۔ حضور اس راہ سے گزرے۔ انہیں دیکھا تو پیچھے سے آکر اپنے ہاتھ ان کی آنکھوں پر رکھ دیئے۔ آپ کی خوشبو سے صحابی سمجھ تو گئے کہ یہ کون ہیں جنہوں نے اس خوبصورت ڈھب سے مجھ سے محبت کا اظہار کیا ہے مگر پھر جان بوجھ کر انہوں نے اپنے پسینہ سے تر جسم کو آپ کے جسم کے ساتھ ملا لیا اور جب اس غریب صحابی کا دل خوش ہوگیا تو آپؐ نے ان سے اپنی محبت کے اظہار میں وہاں کھڑے لوگوں سے فرمایا: ایک غلام قابل فروخت ہے کون ہے جو اسے خریدے؟ غریب' محنت کش' مزدور صحابی بولے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ بدصورت' مفلوک الحال کو کون خریدے گا؟ تب سب کے سامنے ارشاد فرمایا: "خدا اور اس کے رسول کے ہاں جو تمہاری قیمت ہے وہ تو کوئی بھی ادا نہیں کرسکتا۔"[1]

اپنے تین دن کے فاقے میں ایک بار ابوہریرہؓ بھی الصفہ کے قریب سے گزرنے والے بڑے بڑے صحابہؓ سے معنی خیز انداز میں اس آیت کا مطلب پوچھتے رہے تھے:

و یوثرون علی انفسھم و لو کان بھم خصاصۃ (الحشر)

"یعنی وہ دوسروں کا بہت خیال رکھتے ہیں اور خود بھوکے رہ لیتے ہیں۔" اور صحابہ اس آیت کا ظاہری مفہوم بتاتے ہوئے ابوہریرہؓ کی اصل اندرونی کیفیت کو محسوس

Marfat.com

نہ کہپائے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لہجے سے پہچان لیا کہ [redacted] بھوکے ہیں۔ آپ نے آیت کا مفہوم بتانے کے بجائے فرمایا۔ ابوہریرہؓ میں بھی بھوکا ہوں تاہم کسی جگہ سے دودھ کا پیالہ آیا ہے آؤ سب مل کر پی لیتے ہیں۔ تم مسجد میں دیکھ لو کوئی اور مہمان بھی ہوں تو انہیں بلا لاؤ۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں اس پر میرے جی میں آیا کہ یہ بھی خوب رہی ایک پیالہ کس کس کو سیراب کرے گا؟ سب اکٹھے ہوئے تو حضورؐ نے سب سے پہلے دوسرے چھ آدمیوں کو اس پیالے سے دودھ پلایا اور میں سوچتا رہا کہ اب میرے لئے کیا باقی رہ جائے گا لیکن ہوا یہ کہ آخر میں جب میری باری آئی تو میں نے بھی سیر ہو کر دودھ پی لیا تو حضورؐ نے فرمایا: ابوہریرہؓ اور پیو! یہاں تک کہ میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب تو مجھے یوں لگتا ہے دودھ میری انگلیوں سے بھی پھوٹ نکلے گا اور پھر حضورؐ نے خود اس پیالے سے [redacted] پیا اور معاشرتی ہیت میں تکافل اجتماعی اور اپنے اوپر دوسروں کے معاشی مسائل کو ترجیح دینے کی عملی تصویر ہمارے سامنے رکھ دی۔ سیرت گواہ ہے اور احادیث میں اس کا ذکر محفوظ ہے کہ ماہ رمضان میں حضورؐ کثرت کے ساتھ مستحقین میں صدقات تقسیم فرمایا کرتے تھے بعض اوقات جملہ اموال صرف غربا میں تقسیم کئے جاتے۔ بخاری کتاب الکسوف میں ہے کہ ایسے ہی ایک موقعہ پر ایک دینار حضورؐ کے پاس کہیں گھر میں رہ گیا جس کا خیال دوران نماز بھی آپ کے دل میں رہا۔ چنانچہ صحابہ نے اس روز معمول کے خلاف یہ بھی دیکھا کہ نماز سے فارغ ہوتے ہی بجائے اصحاب کی طرف متوجہ ہونے کے آپ سیدھے اپنے گھر تشریف لے گئے۔ کسی سے بات بھی نہیں کی پھر واپس کر فرمایا: "تقسیم اموال کے وقت ایک دینار گھر میں جانے کیسے رہ گیا اس کے خیال نے مجھے نماز کے دوران بھی بے چین رکھا۔ یہی خیال آتا تھا کہ اگر اس حالت میں اللہ نے مجھے اپنے پاس بلا لیا اور غریبوں کا یہ حصہ میرے گھر میں رہ گیا تو میں اپنے اللہ کو کیا جواب دوں گا۔" چنانچہ اسے بھی حق دار تک پہنچا دیا گیا۔

صدقہ کی ایک کھجور جو نواسہ رسول حسنؓ نے اپنے منہ میں ڈالی لی تھی اور وہ ایک چھوٹے سے بچے تھیں حضورؐ نے دیکھا تو انگلی ان کے منہ میں ڈال کر اسے نکال لیا اور فرمایا یہ ہمارا مال نہیں ہے خدا کے غریب بندوں کا حق ہے رسول اللہ (صلی

اللہ علیہ وسلم) کا یہ اسوہ غریب کا حق پہچانے میں آج بھی رہنما ہے اس کے ساتھ سیرت رسولؐ کا ایک واقعہ آج کے معاشرے کو ایک دوسرا سبق دیتا ہے کہ مدینہ میں سعدؓ ایک مالدار صحابی تھے جنہیں لوگوں نے کسی جگہ اپنی دولت اور معاشرتی رتبے اور فضیلت کا ناروا اظہار کرتے ہوئے دیکھا اس کی اطلاع حضورؐ کو بھی ہوئی۔ آپ نے انہیں بلایا اور فرمایا۔ "سعد کیا یہ مال جس پر تم اس قدر فخر کرتے ہو' یہ تمہارے اپنے زور بازو کا صلہ ہے؟ ہرگز نہیں۔ یاد رکھو تمہای سربرآوردگی اور مالی حیثیت کی عمدگی کا اصل ذریعہ معاشرے کی محنت کش اور غریب لوگ ہیں۔ یوں مت اتراؤ اور اپنی مالداری کا ذکر کرتے ہوئے محنت کش طبقے کی کبھی تحقیر نہ کرو۔"

قرآن مجید یہ کہتا ہے: **ھم للز کو ۃ فاعلون** (مومنوں) اس سے معاشرے کا وہی طبقہ مراد ہے جو معاشرے کے غریب اور مستضعفین طبقے کی بہتری کے لئے دین کے ایک ادارے اور ایک رکن کے حوالے سے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور دین میں فلاح پاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب کسی معاشرے میں غریب اور محنت کش کے حقوق سلب یا نظرانداز کئے جاتے ہیں تو اس سے صرف غریب ہی کو نقصان نہیں پہنچتا بالآخر امیر کو بھی اس کے اپنے استحصالی رویے سے ناقابل تلافی خسارہ اٹھانا پڑتا ہے اور سرمائے کے وسیع تر مفاد سے دونوں طبقے رفتہ رفتہ محروم ہونے لگتے ہیں جب کھاتے پیتے لوگ اپنے مال کا ایک حصہ محرومین کے لئے وقف کردیتے ہیں تو یہی دراصل اسوہ نبویؐ کی پیروی ہے مزدور اور غریب اور مستضعف کی آواز کو بے جا طور پر دبا دینا بھی سنت نبویؐ کے خلاف ہے۔ ایک نادار بدو نے آپؐ کی گردن میں پٹکا ڈال کر کہا مجھے کچھ دو! بے شمار جان نثار! آپؐ کے ہمراہ تھے آپ انہیں اشارہ کردیتے تو وہ اس غریب بدو کو وہیں ختم کردیتے۔ مگر آپؐ نے صرف اتنا کہا کہ میں بخیل نہیں۔ اگر میرے پاس اس وقت کچھ ہوتا۔ تو میں تمہیں ضرور دیتا۔ غریبوں کے حق میں صاحب اختیار کا مشفقانہ سلوک بھی غریب طبقے کی باغی نفسیات پر مثبت اثرات مرتب کرسکتا ہے۔ قرآن نے کفارہ کی بدکرداری میں کہا کہ وہ یتیموں سے بے توجہی برتتے ہیں اور مساکین کو کھانا بھی نہیں کھلاتے۔ اسراف سے کام لیتے ہیں اور کبھی اس قدر کنجوس بن جاتے ہیں کہ جائز کام پر بھی خرچ نہیں کرتے۔ برے معاشرے کے یہ چار عیب اچھے معاشرے

کے لئے چار خوبیوں کا تقاضا کرتے ہیں یعنی یہ کہ اسلام کے معاشی اور معاشرتی نظام میں یتیم کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے' مساکین کی پرورش کے سامان ہوں۔ بے جا طور پر بے پناہ دولت نہ اڑائی جائے اور قومی اور ملی ضرورتوں پر ایک فرض سمجھتے ہوئے دولت قربان کی جائے۔ چنانچہ جس معاشرے میں یہ خوبیاں پیدا ہوجائیں ■ کبھی ذلیل نہیں ہوتا یعنی معاشی پسماندگی کا شکار نہیں ہوسکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی شعار تھا اور اسی لئے انہیں حضرت خدیجہؓ نے کہا تھا۔ "اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ ہونے دے گا اس لئے کہ آپ رشتہ داروں کی مدد کرتے ہیں' سچ بولتے ہیں۔ لوگوں کی ذمہ داریاں اٹھالیتے ہیں۔ اور تمام معدوم اخلاق آپ نے اپنے اندر سمیٹ لئے ہیں۔ مہمان نواز ہیں اور سچی بات پر لوگوں کی معاونت کرتے ہیں۔" ان ساری باتوں میں زیادہ باتیں ایسی ہیں جن کا تعلق صحت مند معاشی اور معاشرتی رویے سے ہے۔ یتیم کی دیکھ بھال ' آنے والے کی مہمان نوازی' غریب اور نادار انسانوں کا بوجھ اٹھانا یعنی کفالت کرنا' گویا ضرورت پڑنے پر ممکن حد تک خدا کی مخلوق کے لئے خرچ کرنا اور بخل سے الگ رہنا مگر اسراف بھی نہ کرنا' یہی دیرپا اور موثر معاشی اور معاشرتی رویے ہیں۔ خدیجہؓ کی گواہی ہے کہ ان کی قوم جو اچھی خوبیاں اور اوصاف ترک کرچکی تھی یعنی ناداروں کی حمایت' زیردستو کی دستگیری وغیرہ کے اعمال حسنہ جو عدل و احسان کی ذیل میں آتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے وہی اخلاق پھرزندہ ہوئے ہیں۔ قرآن جن اوصاف کو صحت مند معاشرے میں دیکھنا چاہتا ہے اس کی الٹ منفی رویہ اختیار کرنے والوں کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ انہیں پہچانو اور ان سے گریز کرو یہ دین کو جھٹلانے والے ہیں۔

ارایت الذی یکذب بالدین ○ فذلک الذی یدع الیتیم ○ و لا یحض علی طعام المسکین ○

"کیا تونے اسے پہچانا جو دین کو جھٹلاتا ہے؟ یہ وہی تو ہے جو یتیم کو دھتکارتا ہے اور لوگوں کو ترغیب نہیں دیتا کہ وہ مسکین کو بھی کھانا کھلائیں۔"

عہد نبوی میں یتیم اور مسکین کے بارے میں مکے کا منفی اور مدینے کا مثبت رویہ دونوں بالکل واضح تھے۔ مکے میں بھیک مانگنا یتیم و یسیر بچوں کا مقدر تھا مدینہ میں ■

مسلمان خاندانوں کا حصہ بن جاتے تھے۔ مکے میں قریشی سرمایہ داروں کو یہ خوف مارے ڈالتا تھا کہ مرنے کے بعد ان کی اولادوں کا کیا بنے گا۔ مدینہ میں یتیم کے سر پر ہاتھ رکھنا اور اس کی کفالت کرنا' فرائض شہریت میں داخل تھا۔ مدینہ میں بیوہ عورتوں سے شادی کی خواہش کا اظہار خود کیا جاتا تھا۔ مکہ میں بیوائیں اپنی عزتوں اور عصمتوں کے استحصال کے تصور سے خوفزدہ رہتی تھیں۔ بیواؤں سے شادی کرکے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی یتیموں کی خود پرورش کی۔ مدنی معاشرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے ایک ایسا مثبت' انقلابی اور صحت مند معاشری رویہ پیدا ہوا کہ جب ایک نوجوان سے حضورؐ نے پوچھا' "تو نے کسی نوجوان عورت سے شادی کرنے کی بجائے ایک زیادہ عمر کی بیوہ سے شادی کرنے کو کیوں ترجیح دی؟" تو اس کا یہ جواب یوں تھا۔ "حضورؐ میرے بھائی کی یتیم اولاد کم سن ہے اور میں نے سوچا کہ ایک تجربہ کار عورت ان کی پرورش زیادہ اچھے طریقے سے کرپائے گی۔" اس جواب سے حضور بے حد خوش ہوئے۔ کسی ساتھی کی شہادت یا موت پر صحابہؓ خود حضورؐ کے پاس آتے اور کہتے کہ آپ ہماری شادی فلاں بیوہ عورت سے کرا دیجئے تاکہ اپنے محروم دوست کے یتیم بچوں کی پرورش سے محروم نہ رہ جائیں۔ صحابہؓ نے بیواؤں سے شادیاں کیں اور اپنی جائیدادوں کو اپنی بیویوں کی سابقہ اولادوں میں بھی تقسیم کیا تاکہ معاشرے میں محرومی کا سلسلہ ممکن حد تک ختم ہو سکے قرآن نے اسی رویے کے اثبات میں ارشاد فرمایا ہے:-

والذین یوتون ما اتو وقلوبھم وجلۃ انھم الی ربھم راجعون ○

"اور اللہ کے بخشے ہوئے مال کو مستحق لوگوں میں تقسیم کرتے رہتے ہیں اور ان کے دل اس بات سے ڈرتے ہیں کہ انھیں ایک روز اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔"

یہی ذمہ داری فرد کے ساتھ ساتھ مسلمان حکومت اور معاشرے کی بھی ہے کہ وہ اپنے افراد کو خوراک' لباس اور رہائش مہیا کرے سورہ طٰہٰ میں آدم علیہ السلام کو عطائے جنت کے وقت یہی کہا گیا تھا کہ:-

ان لک الا تجوع فیھا ولا تعری ○ وانک لا تظموا فیھا ولا تضحی

Marfat.com

"تم اس میں نہ بھوکے رہو گے' نہ بے لباس' نہ پیاسے اور نہ یہاں دھوپ میں پھرو گے۔" چونکہ ان جاعل فی الارض خلیفہ (البقرہ) کے مصداق انسان کے ذمہ ارضی خلافت ہوئی ہے اس لئے اسے اس زمین کو اپنے لئے اسی طرح جنت بنانا ہے اور یہاں خوراک' لباس اور چھت کے ذرائع انسانوں کے لئے پیداوار مہیا کرتے ہیں۔ یہاں ایسا ہونا اسلامی تعلیمات کی روح کے خلاف ہے کہ ایک طبقہ خوشحالی زندگی بسر کرے اور دوسرا لحہ لحہ روٹی' کپڑے اور چھت کو ترستا رہے۔ عہد نبوی میں جب بحرین کا رئیس مسلمان ہوا تو حضورؐ نے اسے ایک خط کے ذریعے ہدایت فرمائی۔

"بعض لوگوں کے پاس زمین نہیں ہے اس میں سے ہر ایک کو خزانہ عامرہ میں سے چار درہم اور لباس گزارا کے لئے دیا جایا کرے۔ (حاشیہ سیرت جلیہ جلد 3_ 69)

مراد اس ارشاد سے یہی تھی کہ معاشرے میں ایک بھی شخص بھوکا اور ننگا نہ رہ جائے ایک پہلو صحت مند معاشرے اور معیشت کا یہ بھی ہے کہ محنت کش طبقے کو اس کے واجبات بروقت ادا ہوجائیں اس کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں خصوصی ذکر موجود ہے اس کے دو پہلو ہیں ایک یہ کہ محنت کش کا مشاہرہ کام کے بوجھ اور اس کی نوعیت کے مطابق مقرر ہونا چاہئے اور دوسرے یہ کہ اس کی اجرت یا تنخواہ کی ادائیگی فوراً" کردی جائے صحیح بخاری کی حدیث ہے ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تین آدمی ہیں جن سے میں جھگڑا کروں گا ان میں سے ایک ▪ ہے جس نے مزدور سے کام تو پورا پورا لیا مگر اسے اس کی اجرت ادا نہ کی۔" امام بیہقی نے السنن الکبرای میں ابوہریرہؓ سے دو احادیث نقل کی ہیں وہ کہتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ نے فرمایا: جو شخص کسی سے اجرت پر کام کرائے۔ واضح طور پر اس کی اجرت بتا دے یعنی اسے کیا دیا جائے گا۔اور فرمایا کہ مزدور کو اس کی اجرت ادا کردی جائے پیشتر اس کے کہ اس کا پسینہ خشک ہو جائے یعنی بلا تاخیر۔ جدید صنعتی نظام میں مزدوروں کے مسائل بنیادی طور پر یہیں سے ابھرتے ہیں اور آجر کا انہی امور کی ادائیگی میں حیل و حجت کا رویہ بے شمار Lobour Problem پیدا کر دیتا ہے۔ جو پورے قومی پیدا آوری نظام پر اثر انداز

ہوتے ہیں اور بعض صورتوں میں اسے ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کانقطہ نظریہ تھا کہ مزدور ▪ ہے جو اپنی مزدوری یا اجرت سے بروقت فائدہ اٹھا سکے اپنی ضروریات سے نپٹ سکے اور اپنے حق کے حصول کے لئے آجر کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے۔ قرآن نے سورہ القصص میں مزدور کو ان لفظوں سے پکارا ہے۔

ان خیر من استاجرت القوی الامین

"بہترین مزدور وہ ہے جو قوی اور امین ہو۔" قرآن مجید اور احادیث کے تفصیلی مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ادارہ محنت' محنت کش یا ملازم اور مالک یا آجر اور اجرت' تنخواہ یا حق الخدمت کے سلسلے میں بعض صریح اور واضح اصول متعین کردیئے گئے ہیں مثلاً" مالک یا آجر کے بارے میں سیرت جو احکام جاری کرتی ہے ▪ یہ ہے کہ کام شروع کرنے سے پہلے اجرت طے کرلی جائے۔ کام کی نوعیت کے ساتھ یہ بھی واضح کردیا جائے کہ اجرت یومیہ ہوگی' ہفتہ وار یا ماہوار۔ اجرت طے کرتے وقت مزدور کی کسی مجبوری سے فائدہ نہ اٹھایا جائے اورعرفاً" یا قانوناً"رائج مزدوری پوری ادا کی جائے۔ اس باب میں ملازم یا مزدور یا محنت کش کا کسی طور استحصال نہ ہونا چاہیے۔ کام مکمل ہوتے ہی اجرت کی ادائیگی لازمی ہو۔ مزدور سے اس کی طاقت اور بساط سے باہر کام نہ لیا جائے۔ کام تھکا دینے والا ہو تو محنت کش کو آرام کا وقفہ دیا جائے۔ دوران اوقات کار دینی فرائض کی انجام دہی کی آزادی میسر ہونی چاہیے۔ مزدور کے ساتھ مساوی اور منصفانہ برتاؤ روا رکھا جائے اور اس اہانت نہ کی جائے۔

ملازم یا محنت کش یا مزدور صحت مند ہو' کام کرنے میں غفلت یا کوتاہی کا ثبوت نہ دے ممکن حد تک حسن و خوبی سے کام انجام دے۔ دیانت دار اور امین ہو۔ مالک کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے والا نہ ہو۔ ادائیگی اجرت میں کام کی نوعیت کا لحاظ رکھا جائے۔ ہر قسم کی محنت کا درجہ یکساں نہ رکھا جائے۔ اسلام مختلف انسانی محنتوں اور کاموں میں فرق کا قائل ہے ▪ محنت کے وقتی اور مستقل نتائج کو تسلیم کرتا ہے اور اس کے مطابق محنت کے صلے متعین کرنے کو جائز سمجھتا ہے۔ اسی طرح جسمانی اور دماغی محنتوں کامعاوضہ بھی الگ الگ ہو گا۔ مزدور اور ہنر مند کی محنت برابر نہیں

Marfat.com

ٹھہرائی جاسکتی اس لئے محنت کا معاوضہ اسلام کے نزدیک اس کی افادیت کے اعتبار سے طے پانا چاہیے قرآن و حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ محنت خواہ کتنی ہی ادنی کیوں نہ ہو اور اس کا دورانیہ خواہ چھ آٹھ گھنٹے ہی کا کیوں نہ ہو اس کا صلہ بہرحال اتنا ہونا چاہیے کہ محنت کش اور اس کے کنبے کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوسکیں۔ خاص طور پر غذا لباس اور رہائش کی ضروریات۔ جہاں تک آجر کی نجی مزدوریوں کا تعلق ہے مثلاً" دھوبی' مستری' درزی' باورچی' مالی' چوکیدار' ڈرائیور وغیرہ ان کی مزدوری عرف اور رواج سے کم مقرر نہیں کی جاسکتی دوسری ملازمت اس قسم کی ہوتی ہے جس میں آجر کے صنعتی ' زراعتی اور اداراتی کام آجاتے ہیں جن کے ذریعے مالک مزید دولت کماتا ہے یہ عموماً" ماہوار اجرتوں والے کام ہوتے ہیں۔ ایسے کاموں کی اجرت یوں متعین ہو گی کہ مالک جو مفید نتائج یا صلے مارکیٹ سے حاصل کرے گا اسی نسبت سے اپنے محنت کش کو معاوضہ ادا کرے گا اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو یہ اسلام کے عدل اجتماعی کے خلاف ہوگا۔ اس میں اتنا ضرور ہے کہ آجر اپنی مشینوں کی گھسائی کے اخراجات وغیرہ نکال کر جو نفع حاصل کرے گا اسی نسبت سے مزدور کی تنخواہ طے ہوگی۔ آجر یا کارخانہ دار کے نفع میں اجیر شریک ہوتا ہے اور یہی سیرت نبوی کا درس ہے معیار عدل و احسان ہے۔[۷] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی خوبصورت عوامی رویے نے معاشرے کے کھاتے پیتے لوگوں کو مجبور کردیا تھا کہ وہ قرآن کی زبان میں یہ سوال خود پوچھیں کہ: ماذا ینفقون ؟ وہ خدا کی راہ میں مستضعفین اور غریب طبقہ کے لوگوں پر کیا خرچ کریں؟ اللہ تعالیٰ نبی کرام صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ ان سے کہہ دیں۔ " العفو " (البقرہ) یعنی اتنا تو ضرور دیا جائے جو خود انہیں تکلیف میں مبتلا نہ کرے اور ان پر بار نہ ہو۔ اس حکم کو یوں بھی واضح کیا جاسکتا ہے کہ اتنا تقسیم نہ کرو کہ بعد میں تمہارا اپنا ایمان ہی متزلزل ہو کر رہجائے۔ اور تم دوسروں کو دینے کے اس عمل کو اپنے اوپر ایک بوجھ محسوس کرنے لگو۔ یہاں العفو' کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ پیشتر اس کے کہ لوگ مانگنے پر اتر آئیں تم خود انہیں بلا کر یا ان تک پہنچ کر ان کی ضروریات پوری کرو۔ یہ بات افراد اور قوم دونوں کی ضرورتوں کے لئے یکساں ہے اور یہ ادائیگی زکوۃ کے علاوہ کی ادائیگی

Marfat.com

ہے۔ جب کہ خود زکوۃ غریب طبقے کی محبت کھاتے پیتے گروہ اور حکومت کی طرف جذب کرنے کا ایک باعث ہے۔ زکوۃ کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کے خوشحال طبقے کا سماجی رشتہ بڑی خوش اسلوبی سے معاشرے کے مستضعفین سے جوڑ دیا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وفی المال حق سوی الزکوہ مال میں زکوۃ کے علاوہ اور حقوق بھی ہیں "حجتہ اللہ البالغہ" میں حضرت شاہ ولی اللہ کہتے ہیں۔ "بعض جگہ زکوۃ کے مصرف سے شہریوں کی ضروریات پوری نہیں ہوپاتیں' اس میں وسعت پیدا کرنا ضروری ہے تا کہ شہریوں کی ضروریات کو کما حقہ' پورا کیا جائے۔ مدینہ آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب جائیداد لوگوں کا رشتہ بھی اسی مصلحت کے تحت ان لوگوں سے قائم کردیا تھا جو بے جائیداد اور بے مایہ تھے۔ ایک غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ کچھ لوگوں کے پاس کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں جب کہ بعض کے پاس خاصی خوراک موجود ہے۔ آپؐ نے فرمایا سب لوگ اپنے کھانے کی چیزیں لے آئیں۔ پھر آپؐ نے سب کا مساوی راشن مقرر کردیا اس طرح سب کو خوراک کی بہم رسانی آسان ہوگئی۔ اور قرآن کے حکم کلوا جمعا کا مفہوم بھی ادا ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی موقع پر حکم دیا کہ اب تمہیں الگ کھانے کی اجازت نہیں سب کو ایک جگہ سے ایک جیسا کھانا ملے گا۔ صحابہؓ کی گواہی موجود ہے کہ انہوں نے اس حکم پر سختی سے عمل کیا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اس کے بعد ہمیں عادت ہوگئی کہ اگر ہمارے پاس ایک کھجور ہوتی تو ہم اسے بھی اکیلا کھانا بد دیانتی خیال کرتے تھے اور اس میں ضرور اپنے کسی دوست یا ہم سفر یا ساتھی کو شریک کرلیا کرتے تھے۔ انصار نے مدینہ میں اسی جذبہ کے تحت اپنے اثاثے مہاجرین کے سامنے پیش کردیئے تھے کہ آدھے آدھے کرلئے جائیں یہ الگ بات ہے کہ مہاجرین نے اس پیشکش سے کوئی ناجائز انتفاع نہیں کیا۔

اس بات سے یہ واضح ہوگئی کہ اگر زکوۃ سے قومی اور دیگر اجتماعی ضروریات کا پورا کرنا مناسب طور پر ممکن نہ ہوسکے تو زکوۃ ادا کرنے کے بعد بھی خوش حال طبقہ غریبوں کی خبرگیری کا ذمہ دار ہے۔ اور یہ کیا خوبصورت تعزیر ہے کہ افراد کی بعض

Marfat.com

کوتاہیوں اور گناہوں کا کفارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بھی تجویز فرمایا کہ غریب طبقے کی مدد کی ایک صورت نکل آئے مثلاً" غلام افراد کو آزاد کیا جائے مقروض کا قرض ادا کرنے میں معاونت کی جائے۔ مفلوک الحال طبقے کا پیٹ بھرا جائے وغیرہ اسی طرح عید کی خوشیوں میں قربانی کے گوشت کا تیسرا حصہ یا فطرانے کی شکل میں رقوم پسماندہ طبقے تک پہنچائی جائیں فتوحات سے حاصل شدہ اموال میں غربا کو بھی حصہ دار قرار دیا جائے۔ بچوں کی پیدائش کی خوشی میں عقیقہ کی دعوت میں انہیں شریک کیا۔ ولیمہ میں غریبوں کی شرکت کو حضورؐ نے پسند فرمایا۔ مرحوم کے ترکے میں سے غریبوں کو بھی کچھ نہ کچھ ادا کرنے کا حکم دیا۔ نئے پھل یا فصل کی آمد پر **واتوا حقہ یوم حصادہ○**

(الانعام) کا حکم ہوا ہے۔ حضورؐ نے واضح فرما دیا کہ انگور، گندم، ماش، کپاس، پھل اور اجناس کی ہر قسم کے ذاتی استعمال سے پہلے غریبوں کا حصہ اس میں سے نکالا جائے تاکہ ممکن حد تک معاشرتی طبقہ داری کا احساس مٹتا رہے گا قرآن کہتا ہے فراعنہ کی تہذیب میں لوگوں کو دولت کے بل پر طبقوں میں بانٹ کر رکھنے کا رجحان غالب تھا۔

و جعل اھلھا شیعا (القصص) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اس کے برعکس ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے:

وات ذالقربی حقہ والمسکین و ابن السبیل ولا تبذر تبذیرا

"غریب رشتہ دار، مسکین اور مسافر ضرورت مند کو بھی اس کا حق دو اور اسراف تو کسی صورت میں بھی نہ کرو۔" ظاہر ہے کہ ایسا رویہ معاشرے میں طبقے پیدا نہی کرتا بلکہ ان کے درمیان کی خلیج پاٹ دینے کا باعث بنے گا۔ اس طبقاتی خلیج کو ختم کرنے کے لئے قرآن نے اللہ کے لئے جس قرض حسنہ کا ذکر کیا ہے اس سے مراد بھی درحقیقت مستضعفین ہی کی مدد ہے جس کا صلہ اللہ تعالیٰ کئی گنا زیادہ کرکے دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ یہ کہ قرض حسنہ سے مراد پسماندہ طبقے کی مدد ہے اور ان سے حسن سلوک ہے اس کی شہادت اس حدیث سے ملتی ہے کہ "قیامت کے روز اللہ تعالیٰ بعض لوگوں سے کہے گا کہ میں بیمار ہوا تو تم نے میری عیادت نہ کی۔ میں بھوکا اور

Marfat.com

پیاسا تمہارے دروازوں پر آیا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ میں ننگا آیا تم نے مجھے لباس نہ دیا۔ جب لوگ اس پر تعجب کا اظہار کریں گے تو اللہ ان سے کہے گا کہ میرے بیمار اور بھوکے ننگے پیاسے لوگ تمہارے دروازوں پر آتے رہے اور تم انہیں دھتکارتے رہے اور [redacted] میں ہی تھا۔" یہ ایک معنی خیز مثال ہے جس کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشری تفاوتوں اور تفریق کو ختم کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے اور غریبوں کی کفالت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قرآن نے اسی کی تشریح یہ کہتے ہوئے کی ہے کہ: **انفقو مما رزقنکم** (المنفقون) جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے تم بھی اسے اسی طرح دوسروں پر حسب ضرورت خرچ کرو' یہ ایک طرح سے اپنے اخلاق کو اللہ کے اخلاق میں رنگین کرنے کا رویہ ہے جو محدود نہیں ہونا چاہئے بلکہ معاشرے کی روح میں جاری اور ساری رہنا چاہئے۔ قرآن نے اس مضمون کو تکرار کے ساتھ جگہ جگہ بیان کیا ہے مثلاً" یوں بھی ارشاد ہوا۔ **الذین ینفقون فی السراء والضراء** (آل عمران) " یہ وہ لوگ ہیں جو خوش حالی اور تنگی دونوں حالتوں میں غریب اور مسکین طبقے پر اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔" یہ دراصل ایک صحت مند رویے پر دوامیت کی طرف اشارہ ہے۔

معاشرہ میں کچھ افراد ایسے بھی ہیں ہوتے جو اپنی عزت نفس کے تحت اپنی مفلوک الحالی اور غربت کو چھپاتے ہیں اور کبھی کسی کے سامنے دست دراز نہیں کرتے۔ سورہ البقرہ میں انہی کے ذکر میں کہا گیا ہے:۔ **لا یسلون الناس الحافا** ○ ایک ناآشنا اور ان کے حالات سے بے خبر شخص ان کے دست سوال دراز نہ کرنے کے سبب سے انہیں غیر محتاج اور غنی خیال کر بیٹھتا ہے کیونکہ ان کی ظاہری ہیت ان کی پہچان میں مددگار نہیں بنتی بھر وہ لوگوں کو زچ کرکے یا لپٹ کر کبھی سوال بھی نہیں کرتے۔ قرآن مجید ایسے باغیرت مگر غریب طبقے کا خیال رکھنے کی خصوصی تعلیم دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اصحاب الصفہ میں یہی لوگ شامل تھے۔ انہی میں ابوہریرہؓ بھی تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری تین برسوں میں شامل اصحاب ہوئے اور پھر کوئی لمحہ آپ کی صحبت سے الگ ضائع نہیں جانے دیتے تھے۔ لیکن کوئی دنیاوی کام نہیں کیا کرتے تھے کہ جس سے روزی کمائی

Marfat.com

جاسکے۔ ان کے بھائی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور ابوہریرہؓ سارا دن مسجد میں بے کار پڑے رہتے ہیں۔ انہیں ارشاد فرمائیں کہ وہ کوئی کام بھی کیا کریں حضورؐ نے فرمایا کبھی کبھی اللہ تعالیٰ دوسروں کی وجہ سے بھی رزق عطا کیا کرتا ہے۔ تم کیا جانو جو رزق تمہیں دیا جارہا ہے وہ ابوہریرہؓ ہی کی وجہ سے ہو۔ گویا اعلائے کلمتہ الحق کی راہ میں جو لوگ کچھ دن رات مصروف رہتے ہیں اور فکر معاشی سے الگ ہو جاتے ہیں وہ قوم اور حکومت کی ذمہ داری بن جاتے ہیں۔ ان کی ضروریات کا خیال رکھنا اسلامی معاشرے کی ذمہ داری ہے۔ انہی کی ذیل میں غیر تمند غرباء بھی آجاتے ہیں اور مسلمان معاشرے کی یہ ذمہ داری ہے کہ [redacted] اپنے درمیان ایسے افراد کو خود پہچان کر ان کی [redacted] کریں جیسا اس آیت کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پہچان لیا کرتے تھے اور پھر ان کی مدد کو خود پہنچا کرتے تھے بخاری کتاب الزکوۃ جلد اول میں حضورؐ نے مسکین کی تعریف یوں کی ہے کہ:۔

لیس المسکین الذی یطوف علی الناس ترده اللقمته [redacted] اللقمتان و التمرتان و لکن المسکن الذی لا یجد غنی یغنیه [redacted] لا یفطن بہ فیتصدق علیه و لا یقوم فیسل الناس

یعنی مسکین وہ نہیں جو لوگوں سے مانگتا پھرتا ہے اور اسے ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں مل جاتی ہیں بلکہ [redacted] ہے جس کے پاس کوئی مال نہ ہو اور نہ لوگوں کو اس کی غربت کا علم ہو کہ وہ اسے صدقہ ہی دے دے اور نہ ہی وہ سوال کرکے لوگوں سے اپنی حاجت بیان کرے۔ گویا معاشرے میں ایک تو [redacted] مساکین ہیں جو عادتاً" دست سوال دراز کرتے پھرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو کام کرکے روزی کماتے ہیں تاہم آمدنی اس قدر کم ہوتی ہے کہ باوقار گزارا مشکل ہوجاتا ہے مگر کم آمدنی کے باعث قابل امداد ہوتے ہیں ان کو پہچان کران کے کام آنا جو بچوں کی تعلیم، بیٹیوں کی شادی اور دیگر فرائض کی ادائیگی وغیرہ ہوسکتے ہیں چنانچہ یہ ایک عظیم معاشرتی خیر کا اصول ہے۔

مشکوۃ کی ایک حدیث کے مطابق حضورؐ نے تین آدمیوں کے لئے دست سوال دراز کرنا جائز قرار دیا ہے:

"ایک وہ جو بھوک میں مرنے کے قریب ہے' دوسرا وہ جسے کوئی بے وجہ چٹی پڑ

Marfat.com

گئی اور ادائیگی مشکل ہے اور تیسرا وہ کہ کسی قتل میں دیت نہ ادا کر سکتا ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو سوالی آئے آپؐ نے فرمایا:

ان شئتما اعطیتکما منھا و لا حظ فیھا لغنی و لا لقوی مکتسب (مسند احمد بن حنبل ج 5_ 362)

اگر تم چاہو تو میں تمہیں مال دے دیتا ہوں لیکن یاد رکھو کہ مال میں صدقہ دینے والے آسودہ حال اور کمانے والا کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ ایک اور حدیث میں ہے۔

"جو شخص دوسروں سے سوال کرے اور اس کے آس پاس اتنی چیز موجود ہو جو اس کے کام آسکے تو ■ جہنم کی آگ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔" صحابہؓ نے پوچھا کفالت کرنے والی چیز سے کیا مراد ہے؟

فرمایا: "ایسی چیز جو اس کے صبح یا شام کے کھانے میں کا آسکے۔" (مسند احمد بن حنبل ج 4 181)

مسکین کی ایک تعریف یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ یہ صرف وہی نہیں ہوتا جس کے پاس کچھ نہ ہو بلکہ یہ وہ بھی ہے جو کوئی ہنر پیشہ یا فن تو جانتا ہو مگر وسائل کی کمی کے باعث اسے بروئے کار نہ لاسکتا ہو۔ اس کی مدد بھی معاشری ذمہ داری ہے۔ قرآن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیتا ہے کہ:

خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا (توبہ)

تو اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ بیکار با ہنر افراد کے لئے امداد یا قرض کی صورت میں روزگار کا مواقع فراہم کئے جائیں گویا نبی اکرام صلی اللہ علیہ وسلم نے غریبوں کو سہارا دینے اور انہیں اقتصادی اعتبار سے اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کی شاندار تعلیم دی ہے سو **الفقو فی سبیل اللہ** کی یہ بھی ایک صورت بن جاتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جسے قرآن **و احسنو** کے لفظ میں بیان کرتا ہے مگر غریب طبقے کی یہ امداد خوشحال افراد اپنے حلال، پاک اور جائز مال اور آمدنی سے کریں جیسا کہ البقرہ میں ارشاد ہے:۔

یا یھا الذین امنوا انفقو من طیبت ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض و لا تیمموا الخبیث منہ تنفقون و لستم باخذیہ الا ان تغمضوا فیہ و ا

علموا ان اللہ غنی حمید

اے صاحب ایمان لوگوں اپنی کمائی میں سے پاکیزہ چیزیں اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا خدا کی راہ میں حسب توفیق خرچ کرو اور ناکارہ چیز کو اور جس میں سے تم خرچ تو کرتے ہو مگر خود اس میں سے سوائے اس کے اسے لیتے ہوئے چشم پوشی کر جاؤ خود کبھی بھی کچھ قبول نہ کرو۔ ایسی چیزیں صدقہ دینے کے لئے انتخاب نہ کرو اور جان لو کو بیشک اللہ بے نیاز اور تعریف کا مستحق ہے۔"

یہاں ڈاکے' چوری' رشوت' چور بازاری' سٹہ' سمگلنگ وغیرہ کی رقوم مراد ہیں کہ انہیں بزعم خود پاک کرنے کے لئے اگر کوئی شخص ان کا ایک حصہ غربا میں تقسیم کر بھی دیتا ہے تو اس سے رقم یا جنس ہرگز حلال یا جائز پاک نہیں ہو جاتی اور نہ ہی مذکورہ بالا غلط ذرائع آمدنی کا جواز ٹھہرتی ہے۔ مدد ضرور کی جائے مگر اپنے طیب مال میں سے' خبیث مال میں سے نہیں اور مدد کی چیز' رقم جنس یا کپڑا وغیرہ ویسے ہی ہوں جیسے دینے والا خود استعمال میں لا رہا ہے۔ بے کار اور ردی اور سڑی بسی اشیاء کی مساکین کے درمیان تقسیم کی اسلام حمایت نہیں کرتا اس سے یہ ظاہر ہوا کہ امداد عامہ کی بنیاد جائز پیشہ ورانہ کمائی ہو مثلاً" تجارت' زراعت' ملازمت' صنعت یا زمنی وسائل مثلاً" زراعت اور معدنی دولت سے یافت ہو ان میں سے ہر ایک میں معاشرے کے غریب افراد کا حصہ بہرحال موجود اور تسلیم شدہ ہے اور یہ ایک طرح سے خدا کی عطا کردہ نعمتوں کا عملی شکرانہ ہے جو خدا ہی کی غریب مخلوق کو دے کر گویا اس نعمت میں اضافہ کا باعث بنتا ہے اگر کوئی صاحب حیثیت ایسا نہیں کرتا تو خدا اس سے بے نیاز ہے اور ممکن ہے اسے اس نعمت سے محروم کردیا جائے اور اللہ اپنی مخلوق کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ پیدا کردے۔ خوشحال طبقے سے احسان کے اس رویے کا اظہار اس لئے ضروری بھی ہے کہ اسلامی معیشت ضرورت سے زائد مال جمع کرنے کی اجازت کسی طور پر نہیں دیتی۔

والذین یکنزون الذھب والفضتہ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم (توبہ)

"وہ لوگو جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور راہ الٰہی میں اسے خرچ نہیں کرتے

انہیں تو دردناک سزا کی خبر دے۔"

اسلام روپیہ کمانے کے لئے تجارت صنعت ، زراعت کے فروغ سے منع نہیں کرتا لیکن اگر اس کا نتیجہ یہ ہو کہ انسان مال جمع کرنے کا مریض ہو کر رہ جائے اور دولت اتنا کا حریص بن جائے کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنا اسے بار لگے تو گویا اس کے لئے (عذاب) ؟ کا لمحہ آگیا کیونکہ اپنی صنعت یا تجارت ر زراعت اور اس کے لئے متوقع ضمنی اخراجات کو چھوڑ کر اور عائلی ضروریات کے لئے پس انداز کرنے کے بعد رقم کا پھیلاؤ اور سرمائے کی بے پناہ وسعت سے ناجائز انتفاع اس کے لئے جائز نہیں چاہئے یہ کہ وہ سرمائے کو اپنے پیشے میں بھی گردش میں رکھے اور غرب طبقے میں بھی ' مگر دولت کا ایک ہی جگہ بے مصرف اور بے معنی انجماد اسلام کے منافی ہے۔ یہی صورت جنس یا دوسرے اموال کی ذخیرہ اندوزی کی ہے۔ غلے کو اس خیال سے ذخیرہ کرلینا کہ مہنگا ہونے پر فروخت کیا جائے گا اس لئے گناہ ہے کہ اس سے غریبوں کی حق تلفی ہوتی ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے واضح الفاظ میں منع فرمایا ہے یہ ایک قسم کی منصوبہ کے تحت پیدا کی گئی مہنگائی ہے جس سے صرف دو طبقے متاثر ہوتے ہیں غرب مسکین اور کم آمدنی والے لوگ اور یتامیٰ ' جب کہ یتیم کی اصلاح احوال کو تو قرآن ایک کار خیر قرار دیتا ہے۔ یتیم کے ساتھ پیش آنے والی صورت میں قرآن نے خوش حال افراد کو خود کو FIT کرکے دیکھنے کی دعوت یہ کہہ کردی ہے کہ ۔۔ لوگ جو ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتے انہیں سوچنا چاہئے کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ۔۔ خود مرجائیں اور اپنے بچوں کو یتیم چھوڑ جائیں۔ حضورؐ نے کیا خوبصورت معاشرہ ترتیب و تشکیل دیا تھا کہ ایک شخص فوت ہوا اور اس کے یتیم بچوں کی کفالت کے لئے بعض صحابہؓ ایک دوسرے سے ناراض ہونے لگے تھے ثواب ان میں سے ہر ایک کمانا چاہتا تھا۔ حضورؐ کو اطلاع ہوئی۔ تو فرمایا "بچوں کو سامنے لاؤ" ۔۔ جسے پسند کرلیں اس کے ساتھ چلے جائیں' شاید آج اس رویئے کے اپنانے کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو خود یتیم تھے انہوں نے قرآن کی زبان میں فرمایا:۔

Marfat.com

فاما الیتیم فلا تقھر (الضحیٰ)

معاشرے کے اس بہت ہی مظلوم طبقے کو کبھی دباؤ نہیں۔ یتیم سے حسن سلوک خدا کی رضا حاصل کرنے کے باعث ہے۔ یتیم کی پرورش یوں نہ کی جائے کہ اس کی شخصیت ہی دب کر رہجائے اور ▪▪ ذہنی اور دنیاوی ترقی سے محروم ہو جائے۔ مسکین کی طرح یتیم پر بھی مال خرچ کیا جائے جسے قرآن خیر کی اصطلاح سے موسوم کرتا ہے۔ اور مفردات میں امام راغب نے خیر کی وضاحت یوں کی ہے:

حتی یکون کثیرا و من مکان طیب "جب وہ کثرت سے ہو اور جائز ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو۔"

قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مساکین اور یتامیٰ کے بارے میں ان ساری تعلیمات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر معاشری اور معیشی ہیت میں پسماندہ، مفلس، غریب، مسکین اور یتیم افراد کے ساتھ ایک مثبت اصلاحی اور فلاح رویہ اختیار نہیں کیا جاتا تو پوری قوم تباہی سے دو چار ہو سکتی ہے۔ سورۃ الفجر کی آیات قومی زوال کی انہی علامتوں کا پتہ دیتی ہیں:۔

کلا بل لا تکرمون الیتیم ○

ولا تحضون علی طعام المسکین ○

و تاکلون التراث اکلا لما ○

و تحبون المال حبا جما ○

"ایسا ہرگز نہیں بلکہ تم قصور وار ہو کر یتیم کی عزت نہیں کرتے"

"اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے"

"اور ترکے کا مال سارے کا سارا اڑا جاتے ہو۔"

"اور تم مال سے بے انتہاء محبت کرتے ہو۔"

گویا غریب اور یتیم کی امداد سے ہاتھ روک لینا اور دولت سے محبت کے رویے میں پختہ تر ہوتے چلے جانا ایسی قومی بیماریاں جو بالآخر قومی زوال پر منتج ہوتی ہیں اور قومی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں قوم کے خوشحال طبقے جن باتوں کو اپنے لئے نقصان دہ سمجھ کر ان سے صرف نظر کریں گے بالآخر خود اسی نقصان میں مبتلا ہو کر قوم کی بربادی

کا باعث بنیں گے۔ مال کو اپنے عیش و آرام میں اڑا دینا' مسرفانہ رویے کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بھی قومی سطح پر بربادی کا رجحان ہے اور مال سے محبت حلال و حرام کے امتیاز کو ختم کردیتی ہے اور اس سے قوم سے غداری کے رجحانات نمو کرتے ہیں۔ اوریوں یہ ساری منفی معاشرتی علامتیں قومی کردار کو تباہ کردیتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے اصولی اور بنیادی طور پر انسان کو محنت کش بنایا ہے:

لقد خلقنا الانسان فی کبدہ ○ (البلد)

"یقیناً" انسان کی انسانیت رہین محنت ہے۔" محنت سے گریز قومی کردار کی موت ہے۔ گویا اسلامی معاشرہ ایک محنت کش معاشرہ ہے جسے مل جل کر رہنا ہے جیسا کہ سورۃ یونس میں ہے۔

و اجعلو بیو تکم قبلہ :۔ یعنی اپنے گھر آمنے سامنے بناؤ مراد یہ ہے کہ باہمی تعاون سے رہو۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شرکت کرو۔ رہائش کا ڈھب ملتا جلتا ہو۔ جھونپڑی اور محل کا فرق نہ ہو۔ اور دنیا جانتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عملی زندگی سے' اپنے قول و فعل سے' اپنے اسوہ حسنہ سے ہر قسم کی معاشرتی تفریق کو ختم کردکھایا اور آپؐ کی حیات مبارکہ "وقفتاً" سورہ نحل کی اس آیت کی تفسیر تھی:

ان اللہ یا مر بالعدل و الاحسان و یتاء ذی القربی و ینھی عن الفشاء و المنکر یعظکم لعلکم تذکرون ○

○

Marfat.com

Marfat.com

منہاج چہارم

معیشت کی روح

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سرزمین عرب میں اور آس پاس رومیوں اور ایرانیوں کے ہاں جو اقتصادی طریقہ ہائے مروج تھے ان کی بنیاد میں زر اندوزی' زر پرستی' تعیش اور استحصال کا اشتراک پایا جاتا تھا اور قیصرو کسریٰ یا قریش کی قائم کردہ معاشی ہیئت کی یہ منفی قدریں اپنی اپنی معاشری ہیئتوں میں فقط امراء اور غرباکے دو ایسے طبقے پیدا کرنے کی ذمہ دار تھیں جو روز بروز بے حد امیر یا بے حد غریب ہوتے چلے جا رہے تھے۔ قیصرو کسریٰ اور سرداران قریش کے اس مکروہ ارادی معاشی منصوبے کے نفاذ میں کلیساؤں' آتش کدوں اور کعبہ کے متولیوں سب کے ایماء کو بھی دخل تھا۔ اس عہد کے انسان دشمن معاشی رویے کا اظہار حکومت اور مذہب دونوں کی طرف سے باقاعدہ اور باضابطہ ہو رہا تھا۔ یہ دونوں ادارے مل کر اپنے عہد کے مجبور محض عوام کا خون کچھ اس بے دردی کے ساتھ چوس رہے تھے اور ان کا معاشرتی رویہ اس قدر ظالمانہ اور استحصالی تھا کہ اب روح عصر کا اپنا تقاضا تھا کہ ایک ایسا انقلاب اس خطہ ارض میں برپا ہو جس کا قائد اپنے بے شمار دیگر اوصاف کے ساتھ ہی ساتھ وضعندہ نظام معیشت بھی ہو چنانچہ تاریخ کا یہی عہد ادارۂ نبوت کے آخری اور تکمیلی عہد کے آغاز کا دور تھا۔

اپنی عہد آفرین تحریر حجتہ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ ولی اللہ کا ارشاد ہے:

> "انبیاء علیہم السلام" کی بعثت کا منشاء اگرچہ بالذات عبادت الٰہی سے متعلق ہے مگر عبادات کے ساتھ ساتھ اس منشاء میں رسوم فاسد کو فنا کر کے اجتماعی زندگی میں بہترین نظام کا قیام بھی شامل ہے اس لئے نبی اکرم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں، اور اسی لئے اس مقدس ہستی کی تعلیم میں رہبانیت کو اخلاقی حیثیت نہیں دی گئی بلکہ انسانوں کے باہم اختلاط و اجتماع کی زندگی کو ترجیح دی گئی ہے لیکن اس اجتماعیت کا امتیاز یہ قرار دیا گیا ہے کہ اس کے معاشی نظام میں نہ دولت و ثروت کو وہ حیثیت حاصل ہو جو عجمی بادشاہوں کے ہاں حاصل تھی اور نہ ایسی ہو کہ تمدن سے بیزار دہقان اور وحشی لوگوں کی طرح ان کی معیشت ہو۔"

شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ نے "حجتہ اللہ البالغہ" کی پہلی جلد میں زمانہ ماقبل اسلام کی پارسی یا مجوسی اور رومی حکومتوں کے عوام کے معاشی استحصال کا ایک تفصیلی اور بھرپور جائزہ لیتے ہوئے یہ حکم لگایا ہے کہ ان حکومتوں کی معیشت کا حاصل ایک عیش پرست زردار نظام تھا جس میں سرمایہ اور محض تمدنی ترقی پر فخر کیا جاتا تھا اور زندگی انواع و اقسام کے سامان عیش و نشاط کی فراہمی کا دوسرا نام تھا جبکہ غریبوں کے دلوں کا سکھ ختم ہو چکا تھا اور عوام کی اکثریت آلام و مصائب اور بھوک اور افلاس کا شکار تھی صرف قوت و طاقت اور سرمایہ و دولت کو حکمرانی کا حق تھا۔ کمزوروں اور ناچاروں کی حیثیت تو محض بھیڑ بکریوں کی تھی۔ بادشاہوں، امراء اور دولت مندوں اور سرمایہ داروں نے مملکتوں کے ہر حصے میں انسانی منڈیاں قائم کر رکھی تھیں جہاں انسان بر سرعام نیلام ہوتے، مرد عورتیں بچے سب محض اپنی کمزوری اور لاچاری کے جرم میں فروخت ہوتے تھے۔ قاہر شہنشاہ جب چاہتے مجبور بستیوں کی جانب اپنی درندہ افواج کا رخ موڑ کر ان بستیوں کی معیشت کو تباہ و برباد کر دیتے تھے۔ طبقہ امراء نے کسان، تاجر اور پیشہ ور کی کمر بے جا ٹیکسوں سے توڑ کر رکھ دی تھی۔ تعزیر کا وجود صرف غریب کے لئے تھا۔ عوام محنت اور مشقت کے کچھ ایسے غلام بن کر رہ گئے تھے کہ اپنے خالق سے رشتہ استوار کرنے کی انہیں مہلت ہی نہ دی جاتی تھی۔ حکمرانی کی عملاً عوام پر خدائی کے مترادف تھی۔ اس مکروہ معاشی جبر نے امیر و غریب دونوں کی غیرت ختم کر کے رکھ دی تھی۔ چنانچہ ذہن کی آزاد نشوونما کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ تمام اخلاق

Marfat.com

عالیہ کو گھن چاٹ گیا۔ اس نظام معیشت کی سب سے بڑی کمزوری حیات اخروی سے حد درجہ گریز تھا۔ شاہ ولی اللہ کے الفاظ میں:

"مردوں کے لئے سونے چاندی کے زیورات اور حریر و دیباگ کے نازک کپڑوں کا استعمال اور تمام انسانی نفوس کے لئے خواہ مرد ہو یا عورت ہر قسم کے چاندی اور سونے کے برتنوں کا استعمال اور عالی شان کوشکوں اور رفیع الشان محلات و قصور کی تعمیر اور مکانوں میں فضول زیبائش و نمائش وغیرہ یہی فاسد نظام کے ابتدائی منازل اور معاشی نظام کی تباہی کا منتہا اور مواد ہیں۔"

فرمایا:

"نظام معیشت میں دولت و ثروت ایک بدترین چیز ہے جب یہ باہمی مناقشات اور بغض اور حسد کا سبب بنتی اور خود اہل دولت و ثروت کے اطمینان قلب کو تعب اور حریصانہ کدورت کے زہر سے مسموم کرتی اور قدموں کو استحصال بالجبر اور دوسروں پر معاشی دستبرد کے لئے آمادہ کرتی ہے کیونکہ اس صورت میں یہ بداخلاقی کے مرض میں مبتلا کر دیتی ہے۔ آخرت اور زندگی سے یکسر غافل اور بے پرواہ بنا دیتی ہے اور مظلوموں پر نت نئے مظالم کا دروازہ کھولتی ہے لہٰذا پسندیدہ راہ یہ ہے کہ دولت و ثروت نظام معیشت میں ایسا درجہ رکھتی ہوں جو توسط اور اعتدال پر قائم اور افراط و تفریط سے پاک ہو یہ اور یہ صحیح معاشی نظام کے بغیر ناممکن ہے۔"

پھر فرمایا:

"تب اللہ تعالیٰ نے ایک نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور اپنا پیغام بر بنا کر بھیجا۔ وہ آیا اور اس نے روم اور فارس کی ان تمام رسوم کو تباہ کر دیا۔ اور عجم و روم کے رسوم و رواج کے خلاف صحیح اصولوں پر ایک نئے نظام کی بنیاد ڈالی۔"

قیصر و کسریٰ کے نظام ہائے معیشت کے مبنی بر ظلم و استبداد ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ایران اور رومی معاشروں میں کسی اخروی زندگی کا کوئی ایسا تصور موجود نہ

Marfat.com

تھا جہاں انسان اپنے خالق حقیقی کے سامنے اپنے اعمال کے لئے جواب دہ ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلو دار تعلیمات کا بنیادی وصف اور ان کی روح یہی ہے کہ انسان کے عمل کی بنیاد اس کی نیت پر رکھی جاتی ہے چنانچہ انسان کا عمل صراط مستقیم پر رہتا ہے جس کی مثال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موجود معاشرت کو صرف اپنی تعلیم سے ہی نہیں بلکہ عملی تعلیم سے دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی تعلیم دی پہلے خود تجربے سے گزرے پھر اسے معاشرے کے سامنے یوں عملاً پیش فرمایا کہ دیکھنے والوں کے سامنے ایک مثالی نظیر پیش ہو گئی اور جب یہ بھی ہو چکا تو لوگوں کے لئے اس کا اپنی معاشری حیثیت پر نفاذ کرہی نہ رہا طوعی ہو گیا۔ اب وہ اس پر عمل کرنے کے اجتماعی طور پر بھی از خود پابند تھے اور انفرادی طور پر بھی۔ یہ بات جہاں عدل و انصاف' سیاست' عبادات' معاملات جنگ اور معاہدات میں دیکھی جا سکتی ہے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاشی رویہ بھی اس کا گواہ ہے۔ اقتصادی رویہ متعین کرتے ہوئے یا اسے لوگوں کے سامنے عملاً پیش کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے پس منظر میں علی العموم قریش کے زندگی کا معاشی اور تجارتی ڈھب بھی تھا۔ اس سلسلے میں شمالاً جنوباً" کئے جانے والے تجارتی اسفار' عربوں کی درآمدات و برآمدات' اکناف عرب میں وقتاً فوقتاً لگنے والے تجارتی میلے اور منڈیاں اور ان میں ملکی اور غیر ملکی تجار کی سرگرمیاں اور خرید و فروخت، کے انداز اور لین دین یا مدانیت کے طور طریقے ان ساری باتوں کا مطالعہ اس لئے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کو اس سارے معاشی رویے کی تطہیر حضور کے ذریعہ مقصود تھی۔

یہ بات بھی نظرانداز نہ ہو گی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے ایک عہد میں باقاعدہ تاجر تھے اور انہیں موجود معاشی رویوں میں اپنا ایک الگ اور ممتاز تاجرانہ معاشی رویہ پیش کر کے صادق اور امین کہلوانے کا اعزاز حاصل ہوا۔ ہرچند کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک تاجر کی حیثیت سے معاشی عمل دخل کا عہد زیادہ تر اعلان نبوت سے پہلے کا ہے لیکن اگر مشرکین مکہ نے اسے مثالی تسلیم کیا تو اسلام کے معاشی نظام کا بھی وہ ایک لازمی حصہ ٹھہرتا ہے جدید

اقتصادی یا معاشی اصطلاحات کی روشنی میں اور اس فریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نظام معیشت یا اقتصادی رویے کو یکسر فٹ کرنے کی کوشش ایک نادرست کوشش ہوگی جیسا کہ حضور عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول ہے کہ " ان اللہ بعث محمداً ھادیا و لم یبعثہ جابیا" یعنی اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی بنا کر بھیجا ہے ٹیکس وصول کرنے کے لئے نہیں بھیجا" دیکھنا صرف یہ ہے کہ حضور کے پیش کردہ معاشی رویے کا مسلمان اپنی معاشی ترقی کے پھیلاؤ میں آج اور آنے والی کل میں کس کس طرح اور کہاں کہاں اظہار کر سکتے ہیں کہ معاشی ترقی کا مفہوم بجائے سرمایہ دارانہ یا اشتراکی پیمانوں کے حوالے سے کھل کر سامنے آنے کے اپنے مخصوص اسلامی اور نبویؐ رنگ میں رنگین ہو کر دنیا کے سامنے آئے اور اس کا اپنا تشخص ہو کیوں کہ نبی اکرم نے جس معاشی ترقی یا معاشی رویے کو پیش کیا اس سے معاشی سرگرمیوں کو مناسب حدود اور تعمیری اور تخلیقی انداز میں روبہ عمل آنے کا کچھ اس طرح موقع ملتا ہے کہ یہ سرگرمیاں زندگی کے اعلیٰ مقاصد اور اقدار کے پھلنے پھولنے اور پنپنے کی راہ میں روک نہیں بنتیں جس معاشی رویے کو چودہ سو سال قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعمیر اور تشکیل کردہ معاشری ہیئت میں فروغ دی اور جو معاشی تبدیلیاں آپ نے تجویز کیں وہ براہ راست انسانی تہذیب اور تمدن کو مثبت انداز میں اس طرح متاثر کرتی ہیں کہ فرد اور معاشرہ دونوں کی رگ رگ میں ان کی روح اتر جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی الگ معاشی نظام جدید نظری معاشیات کے انداز میں ترتیب نہیں دیا بلکہ معاشری ہیئت میں معیشت اور اقتصاد کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے معاشی تہذیب کی ہے۔ حضور کا ایک اصولی ارشاد ہے کہ " ماعال من اقتصد" جس نے اقتصاد کیا وہ محتاج نہ ہوا اور قرآن میں ارشاد ہے " ولقد مکنکم فی الارض وجعلنا لکم فیھا معایش (الاعراف) بے شک ہم نے تمہیں زمین پر رہنے کی جگہ دی اور اس میں تمہارے لئے معیشت کے سامان پیدا کئے۔" حضور نے جس معاشری ہیئت کی بنیاد رکھی اس میں نظریاتی اختلاف کے باوجود بھی کوئی شخص معاشی سیاسی اور قانونی حقوق کے معاملے میں دوسرے درجے کا شہری نہیں قرار پاتا۔ آپ کا

Marfat.com

بنیادی معاشی اصول یہ ہے کہ مسلم اور غیر مسلم کے معاشی حقوق یکساں ہیں البتہ کوئی بھی شخص اپنی ظاہری ملکیت میں کسی ایسی آزادی کا مالک نہیں کہ آخرت میں جواب نہ ہو بلکہ وہ اس دنیا میں اپنی ملکیت کے معاملے میں اللہ کی طرف سے متولی ہے۔ اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل کے حکم قرآنی میں انسانوں کے سارے معاشی حقوق پورے کرنے کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔ جس معاشی رویئے کا اظہار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہوتا ہے اس میں عوام میں سے بعض کی اقتصادی ضروریات کو پورا کرنے اور بعض کو کسی بھی وجہ سے نظرانداز کرنے کے غیر مساوی سلوک کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ معاشی مفاد کی بنیاد انسانی مساوات کے ساتھ ہی ساتھ اہلیت پر بھی ہوگی اور "تود واالامنت الی اھلھا" میں انسان کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کا اعتراف موجود ہے جن کا انہیں کوئی نہ کوئی صلہ ضرور ملنا چاہئے کیونکہ اس سے اہلیت کی بنیاد پر ترجیحی معاشی مفاد بھی بہر حال مراد ہے۔ یہ اصول نبی اکرم کے پیش کردہ معاشی نظام کو ایک فطری آئینی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ جہاں تک اشیاء اور وسائل سے معاشی فوائد اٹھانے کا تعلق ہے قرآن تسلیم کرتا ہے کہ اس میں تمام انسان کسی بھی امتیاز کے بغیر برابر کے شریک ہیں۔ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا" (البقرہ) مگر چونکہ زمین اور اس کے وسائل کا اصل مالک اللہ ہے اس لئے انسان مال یا وسائل کو جمع کرنے یا خرچ کرنے میں کلی طور پر مختار نہیں بلکہ اپنے رب کے حکم ہی سے انہیں حاصل کرتا ہے اور اس کے حکم سے انہیں اپنے تصرف میں لاتا ہے۔ وسائل اور تصرفات پر قرآن نے انسان کے حق کو بنیادی طور پر تسلیم کرتے ہوئے کہا ہے کہ " ولا تنس نصیبک من الدنیا (القصص) اور دنیا میں جو تمہارا حصہ ہے اسے مت بھولو۔ گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی نظام کے دو بنیادی اصول ہیں اول بنی نوع انسان میں مال اور ذرائع کسب مال کی اہلیت کی بنیاد پر منصفانہ تقسیم جس کے لئے ایک ایسے ایثار کی ضرورت ہے جو طوعی ہو۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو صرف دنیا داری کے رجحان کو فروغ ملتا ہے۔ دین اور دنیا دونوں کے سامان معاشرے میں صرف معاشی ایثار ہی سے مجتمع ہو سکتے ہیں اور ایثار

Marfat.com

تقویٰ ہی کی ایک شکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک انقلاب میں جس قدر بنیادی عمرانی رویے ہیں مثلاً قانون' عدل' سیاست' جنگ اور امن' معاملات' تعلیم' تجارت اور معیشت وغیرہ سب کے سب ایک دوسرے میں جذب اور ایک دوسرے کے ساتھ متعلق اور منسلک ہیں۔ دوم جہاں طوعی ایثار ممکن نہ ہو یا لوگ اس سے گریزاں پائے جائیں وہاں حکومت اپنا فرض سمجھتے ہوئے آگے بڑھے اور یہی منشا قانوناً خود پوری کرے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ معاشی نظام میں ایک حد تک فرد کی آزادی بھی ہے اور ایک حد تک حکومت کی پالیسی کو بھی دخل ہے تاکہ مسابقت اور مقابلے کی فطری روح بھی انسان میں بے دار رہے اور وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا بھی اظہار کرے لیکن اگر یہ اختیار حد سے اس قدر بڑھنے لگے کہ امیر' امیر تر اور غریب' غریب تر ہونے لگیں اور عیش پسندی کا رجحان اپنی مختلف شکلوں میں اس قدر بڑھ جائے کہ معیشت کی تہذیب کے امکانات معدوم ہونے لگیں یا زوال پذیر ہو جائیں تو حکومت کی دخل اندازی بھی ہو سکے تاکہ انسان کا غلط افتادہ معاشی رویہ اسے اخروی نعمتوں سے محروم کر دینے کا باعث نہ بن سکے جو معاشی ترقی کی اصل مفہوم اور منتہا ہے اور یہی اظہار ایک جدید ماہر معاشیات S. A. FRANKEL نے بھی کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

> "حقیقی معاشی ترقی کا ایک مسلمہ پہلو انفرادی اور سماجی عمل ہے جس کے تحت افراد کے رویے اور اعتقادات اس طور پر نئے سانچوں میں ڈھالے جاتے ہیں کہ وہ اپنی روز مرہ کی کثیر تعداد سرگرمیوں میں ایک نئی آزادی محسوس کرنے لگتے ہیں اور ان میں سے کئی سرگرمیاں ایسی ہوتی ہیں جنہیں کسی بھی معاشی یا مالی اصطلاح سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے حوالے سے کچھ بنیادی معاشی اصول اور کچھ معاشی حدود متعین فرمائے ہیں اور یہ اجازت دی ہے کہ ان حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے جدید تر حالات اور ضرورتوں کے مطابق تفصیلات طے کی جا سکتی ہیں کیونکہ معیشت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مساوی تقسیم کی بجائے

Marfat.com

منصفانہ تقسیم دولت کے حق میں ہے جس میں اہلیت کی بھی ایک خاص اور مسلمہ اہمیت ہے۔ اس میں محدود ملکیت کے تصور کی بھی حمایت کی گئی ہے۔ یہاں لامحدود ملکیت کا کوئی تصور نہیں۔ اگر زمین بحکم الٰہی "الارض للہ اللہ تعالیٰ ہی کی ہے تو لا محدود ملکیت کا تصور انسان کے ساتھ کبھی وابستہ نہیں کیا جا سکتا چنانچہ اسی سے معیشت میں اجارہ داری کا تصور بھی ختم ہو جاتا ہے اور فقط اجتماعی مفاد کے لئے ناگزیر اجارہ داری کی ایک راہ باقی رہ جاتی ہے۔

سورہ الحدید میں اللہ تعالیٰ دولت کمانے کے بے لگام محرکات میں لہو ولعب' زینت' باہمی تفاخر اور کثرت مال کو شمار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ صرف انہی کے لئے اپنی معیشت کو وقف کر دینا انسان کو خدا کی مغفرت اور اس کی رضامندی سے دور کر دیتا ہے اس لئے دنیاوی معیشت یا وسائل و تصرف معیشت کا ایک رخا تصور متاع غرور کے سوا کچھ اور نہیں گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے اندازہ دولت کمانے اور معیشت کے ان مذکورہ محرکات کو کسی طور اچھا نہیں جانا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے غربت اور امارت کے درمیان خلیج پھیلتی چلی جاتی ہے جو در حقیقت ایک منزل پر آ کر معاشری فساد کی اصل وجہ بن جاتی ہے۔ اس خلیج کو صرف خدا کی رضامندی کے حصول کے شوق کے عملی اظہار سے ہی پاٹا جا سکتا ہے اور خدا کی رضامندی یہی ہے کہ امیر اور غریب اپنی جدوجہد میں ایک دوسرے کے جس قدر قریب آ سکیں آئیں۔ سورۂ البقرہ میں ہے" **ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو** یعنی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہیں کہ وہ (غریب طبقے پر) کیا (کس حد تک) خرچ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ اتنا جس قدر کہ تمہیں کسی تکلیف میں ڈال دینے کا باعث نہ بنے"۔ یہ آیت اسلام کے معاشی نظام میں طبقاتی اونچ نیچ کا ایک حل بڑی خوبصورتی سے پیش کرتی ہے اور یہاں عفو کا لفظ ایک پہلو دار اور معنی خیز لفظ ہے جس سے مراد ادنیٰ درجے کا ایمان رکھنے والے کے لئے یہ ہے کہ غریبوں پر اتنا خرچ کرے کہ اس سے اس کے عقیدے اور ایمان کو کوئی ضعف یہ سوچ کر نہ پہنچے کہ اسلام نے میرے پاس کیا چھوڑا۔ اوسط درجے کی مالی حیثیت کے انسان کے لئے جو ایمان کے استحکام میں پہلے آدمی

Marfat.com

سے اوپر ہو عفو کا یہ مفہوم ہے کہ اپنا اچھے سے اچھا مال اللہ کی خاطر پسماندہ طبقے کو خوش دلی سے دے اور وہ شخص جس کی ایمانی اور مالی حیثیت بہت اعلیٰ ہے اس کے لئے عفو کے معنی یہ ہیں کہ اس کا فرض ہے کہ کسی غریب کی طرف سے طلب یا سوال کا انتظار نہ کرے بلکہ اللہ کی راہ میں خود آگے بڑھ کر اپنا مال پیش کر دے تا کہ نچلے طبقے کو خود مانگ کر خفت اٹھانے کی نوبت ہی نہ آئے۔ حجتہ الوداع کے موقع پر بحوالہ طبقات ابن سعد نبی اکرم کا یہ قول ایک طرح سے اس آیت کی تفسیر ہے کہ:

"جنہیں تمہاری دولت نے تمہاری تحویل میں دیا ہے ان کا پوری طرح خیال رکھو جو خود کھاتے ہو انہیں کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو انہیں پہناؤ۔"

اس حکم کے بعد بھی اگر کھاتے پیتے لوگ خود اس طرف نہیں آتے تو حکومت انہیں نادار طبقہ کے قریب لانے کے اقدامات اٹھائے طوعی طور پر یہ صرف تبھی ممکن ہے اگر انسان دولت کا غلط استعمال نہ کرے۔ اسراف' تبذیر' اکتناز اور احتکار سے اسی بنیاد پر روکا گیا ہے۔ جوا اور شراب' ریشم اور سونے کا غلط استعمال' دسترخوان پر بے شمار کھانوں کے انبار' رہائش میں زینت اور زیبائش اور جسمانی زیب و آرائش کے قیمتی اطوار کا اختیار نبی اکرم صلی اللہ نے ایک اصول کے تحت لغویات میں شمار کیا ہے اور اسے عملاً ناجائز کہا ہے کیونکہ یہ ساری چیزیں انجام کار قومی معیشت پر منفی اثرات مرتب کئے بغیر نہیں ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی روپیہ جمع کرنے کی حرص کو بھی اچھا نہیں کہا۔ سورۂ توبہ میں سونا' چاندی جمع کرنے والوں اور پھر اسے خدا کے حکم کے مطابق خرچ نہ کرنے والوں کو ایک ہولناک سزا کی خبر دی گئی ہے۔ یہ عذاب یا سزا آخرت اور دنیا دونوں جگہ دی جا سکتی ہے کیونکہ دنیا میں اللہ کی خلافتی نمائندگی اسلامی حکومت کرتی ہے اس لئے وہ سزا دینے کا حق بھی رکھتی ہے سرمائے کو اس طرح روک دینا کہ ایک جماعت یا ایک فرد کے سوا اس پر کسی کا اختیار باقی نہ رہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ اسلامی معیشت کی روح کے خلاف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ معاشرے کے دیگر افراد سرمائے سے فائدہ اٹھانے سے

Marfat.com

محروم رہ جاتے ہیں وسائل یا اسے اپنی تجوریوں میں محفوظ کرتے چلے جانا بھی دولت کے غلط استعمال کی ذیل ہی میں شمار ہو گا بلکہ معاشیات کی زبان میں یہ اس کی زیادہ مکروہ شکل ہے جس کا معاشی ترقی پر منفی اثر پڑنا لازمی ہو جاتا ہے جب تمام معاشرہ زر کی قدر سے یکساں طور پر فائدہ اٹھانے سے محروم کر دیا جائے تو اس کے بد اثرات قومی ہیئت پر دور رس ہوتے ہیں۔

اصولی طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معیشت میں طوعی اجتماعی افادی رویے کو پسند فرمایا ہے قرآن مجید کی بے شمار آیات اس کی سند میں موجود ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیش کردہ نظام معیشت یا معاشی اصولوں کی پابندی کو رضا کارانہ طور پر فروغ دینے کی سعی فرمائی۔ اسلامی معاشی نظام میں لوگ اگر اپنی حدود میں پابند رہتے ہوئے معیشت کریں تو حکومت کسی عوامی معاشی فعالیت میں دخل نہ دے گی لیکن اگر یہ رضا کارانہ عمل مسلم معاشرے میں پست پڑ جائے یا رک جائے تو فرد یا اجتماع کے معاشی حقوق اور رویوں میں دخل اندازی حکومت کا اولین فرض بن جائے گی۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ کا قول ہے۔ " **ان اللہ یزع بالسلطان مالا یزع بالقران** بے شک اللہ قوت سے ان چیزوں کا سدباب کر دیتا ہے جن کا سدباب قرآن سے نہیں ہو پاتا۔

حد سے بڑھی ہوئی کمائی اور حد سے زیادہ مال کا جمع کرنا اور پھر بے حد و حساب اسے خرچ کرنا' ان ساری معاشی قباحتوں کے محرکات اور موجبات کو نبی اکرم صلی اللہ نے رد کیا ہے۔ دولت بے حد و حساب کمانے کی خواہش دوسروں کی دولت کو دیکھ کر ابھرتی ہے۔ اسلام اصولاً اس خواہش ہی کے خلاف ہے اور اسے غیر فطری قرار دیتا ہے۔ حضور نے غریب محنت کش اور اجیر سے محبت کی ہے' اور اس سے محبت کرنے اور اس کے مرتبے کو بڑھانے کی تعلیم دی ہے۔ مکہ' اکناف عرب اور گرد و نواح کی ریاستوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صریحاً اقتصادی ناہمواری نظر آئی کہ کچھ افراد یا چند خاندان عیش کریں اور بے شمار لوگ بے بسی اور غربت و افلاک کی زندگیاں گزارنے پر مجبور ہوں' چنانچہ مکی سورتوں میں جگہ

جگہ اس معاشری المیے کی طرف نہ صرف اشارے موجود ہیں بلکہ اس استحصالی صورت حال کو یکسر غلط کہا گیا ہے اور اس معاشی عدم مساوات پر صرف دکھ کا اظہار ہی نہیں کیا گیا بلکہ اس کی فوری تبدیلی کی حوصلہ افزائی بھی کی گئی ہے۔

ناجائز دولت کے حصول کا سدباب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ایک صالح معاشری اور سیاسی ہیئت کی بنیاد رکھتے ہی عملاً یوں کیا کہ معیشت کے شعبہ میں ہر قسم کی فعالیت میں سود کو ختم کر دیا گیا۔ اور قومی اقتصادی تباہی میں سود کو جو دخل ہے اس سے جدید ماہرین معاشیات کو بھی انکار نہیں کیونکہ اس سے غریب طبقے کی معاشی ترقی رک جاتی ہے۔ سود کی تعریف قرآن یہ کہتے ہوئے کرتا ہے کہ ایسی چیز یا دولت یا زر جس پر بہرحال نفع یقینی ہو' اور زر پر ہر حال میں یقینی نفع صرف اسی صورت میں ہوتا ہے جب دولت پر صرف ایک مخصوص طبقہ قابض ہو جاتا ہے اور یہ بھی ایک طرح کی وہی معاشی اجارہ داری ہے جو معیشت نبوی کی روح کے خلاف ہے کیونکہ سرمائے کو قرض کی شکل دے کر ایک متعین اور مخصوص منافع حاصل کرنے کا کوئی حق کسی کو حاصل نہیں۔ اسلام زمین اور سرمایہ اور محنت اور تنظیمی اہلیت سب کو معاشی عوامل تسلیم کرتا ہے اس لئے یہ سب منافع میں بھی شریک ہیں۔ امام مالکؒ نے آجر اور اجیر کو منافع میں برابر کا مستحق گردانا ہے اور سرمائے اور محنت کو برابر کے عاملین پیداوار سمجھا ہے لیکن جہاں منافع میں یہ حصہ جائز حدود میں نہ رہے گا حکومت کو بطور محافظ معیشت قومی کے دخل اندازی کا حق ہو گا۔ جیسے دولت کو روک کر رکھنا مجموعی معاشری زندگی کے سکھ اور حسن کو چھین لیتا ہے اسی طرح دوسری چیزیں مثلاً غلہ وغیرہ کو روک لینا یا ذخیرہ اندوزی یا اشیائے صرف کو مہنگے داموں کسی خاص موقع کی آمد پر فروخت کرنا ایسا ہر حریصانہ منفی معاشی عمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے گناہ قرار دیا ہے اور گناہ بھی جرم کی ایک شکل ہے لہٰذا معیشت نبوی کی رو سے عوامی ضرورت کی ہر چیز کا احتکار ہر عہد میں حرام اور ناجائز ہو گا۔

بے شک منڈی کے بھاؤ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے وجہ دخل دینے سے منع فرمایا ہے لیکن یہ اصول صراط مستقیم نارمل دھارے پر چلنے والی رضا

Marfat.com

کارانہ معیشت کے لئے ہے جہاں امراء غریب طبقے کا عملی طور پر لحاظ رکھیں یا بڑے تاجر چھوٹے تاجروں کی مجبوریوں سے ناجائز انتفاع کی کوشش نہ کریں۔ جب حکومت کو بعض تاجروں کے منفی ارادوں کی اطلاع ہو جائے کہ وہ پوری تجارت پر قبضہ کرنے کے لئے بعض دوسرے تاجروں کی تجارت ختم کرنے کے لئے بھاؤ گرانا چاہتے ہیں تو انہیں قیمتیں گرانے کی اجازت نہیں دی جائے گی تاکہ دوسرے درجے کے تاجر بھی اپنی معاشی زندگی کو برقرار رکھ سکیں اور دیوالیہ نہ ہونے پائیں۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ اپنے زمانہ خلافت میں تقریباً روزانہ منڈی کا چکر لگایا کرتے تھے اور قیمتوں کا اعتدال، اتار چڑھاؤ اور ناپ اور تول کے پیمانوں کا معیار ہمیشہ ان کی نظروں میں رہتا تھا۔ ایک دفعہ ایک غیر ملکی تاجر خشک انگور لے کر آیا اور مدینہ کی منڈی میں موجود خشک انگور کی قیمت سے بہت کم قیمت پر اس کی فروخت شروع کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ اپنا مال اٹھا لے یا منڈی کی موجودہ قیمت پر اسے فروخت کرے۔ بعض صحابہؓ نے حضور کا قول پیش کر کے آپ کے حکم کی وجہ پوچھی تو فرمایا اس طرح مدینہ کی منڈی کی پہلے سے مناسب قیمت متاثر ہو گی اور تاجروں کو بے وجہ نقصان پہنچے گا اور فرمایا کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نفی نہیں ہوتی بلکہ معاشی استحکام پیدا ہوتا ہے' گویا اسلامی معاشی نظام تجارتی استحکام کی ذمہ داری بھی اٹھاتا ہے' منڈی کے بھاؤ میں دخل اندازی بے شک طلب اور رسد کے اصولوں میں دخل اندازی ہے خواہ قیمت کی زیادتیت سے متعلق ہو یا کمی سے کیونکہ احتکار کی اجازت نہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ناجائز دخل اندازی سے منع فرمایا ہے۔ اقتصادی اصولوں کی روشنی میں جو صحت مند معیشت میں اپنی جگہ آپ پیدا کر لیتے ہیں دخل اندازی سے منع نہیں فرمایا ورنہ حضرت عمرؓ کبھی منڈی کے بھاؤ میں دخل اندازی نہ کرتے حضرت عمرؓ کا یہ عمل اس لئے جائز ہے کہ دولت کا ناجائز اجتماع نہ ہونے پائے اور بڑے بڑے تاجر چھوٹے تاجروں کو ختم کر کے نہ رکھ لیں۔

زراندوزی کی راہ میں زکوٰۃ (صدقہ - خیرات - عشر) اور تقسیم ورثہ بھی

Marfat.com

شرعی طور پر رکاوٹ بنتے ہیں۔ ان مخصوص حکومتی ذرائع آمدنی کے علاوہ حکومت حسب ارشاد نبوی دیگر ٹیکس عائد کر کے بھی اجتماع دولت یا زر اندوزی کے رجحان کو ختم کر سکتی ہے۔ فرمایا " ان فی المال حق سوی الزکوٰۃ یعنی مال دار کے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی تو حکومت کا حق ہے" بہر حال سرمایہ داری کی دو بنیادی شکلیں ہیں، سود اور اجارہ داری اور معیشت نبوی دونوں کے خلاف ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معیشت میں معاشی طور پر مراعات یافتہ کسی بھی فرد یا طبقہ کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی۔ اگر قرآن یہ کہتا ہے کہ " واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے" یا یہ کہ " ورفعنا بعضہم فوق بعض درجات اور ہم نے ایک کو دوسرے پر درجات میں رفعت دے رکھی ہے" تو ان آیات سے اسلامی معاشرے میں کسی اجارہ دار یا مراعات یافتہ طبقے کے وجود کی تصدیق نہیں ہوتی۔ ان آیات میں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ انسانی معاشرت میں صلاحیتوں کے اعتبار سے رزق اور مراتب میں امتیاز ہمیشہ موجود رہے گا۔ ان آیات میں امتیاز کی اساس دولت نہیں بتائی گئی بلکہ صرف ایک معاشری امر واقعہ کا اظہار مقصود ہے۔

سورۃ الحشر میں معیشت اور حکومتی رویے کو بھی یہ کہتے ہوئے واضح کر دیا کہ " ما افاء اللہ علی رسولہ من اہل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتما والمساکین وابن السبیل کیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پاس کی فتوحات کے ذریعے جو مال عطا کرتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے، قرابت داروں اور یتامی اور مساکین حصول علم و اشاعت دین کے لئے نکلنے والے مسافروں کے لئے ہے اور یہ احکامات انہیں اس لئے دیئے گئے ہیں تاکہ یہ دولت پھر امراء کے پاس نہ چلی جائے۔ اور انہی کے درمیان گردش نہ کرتی رہے" اس آیت میں حکومت کے ان وسائل اور اخراجات کا باضابطہ ذکر ہے جو قومی معیشت پر اثر انداز ہوتے ہیں اور یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ جو دولت امراء سے کسی بھی طریقہ سے حکومت کے پاس آتی ہے اسے اس طبقے کے پاس ہرگز واپس نہیں جانا چاہئے اور یہی نچلے طبقے کے

Marfat.com

معاشی حقوق کی ضمانت ہے گویا حکومت کے قبضے میں آنے والا روپیہ پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے وقف ہو گا اور اس کے استعمال کی مناسب صورتیں پیدا کرنے میں حکومت کو اختیار حاصل ہے۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق یہاں حکومت کے حق کی ہی نمائندگی کرتا ہے جو درحقیقت اسلامی معاشری معیشت کے DOWN TRODDEN طبقے کا حق ہے اور جسے پورے معاشرے کی فلاح و بہبود کے لئے بھی جس ضرورت پھیلایا جا سکتا ہے جب حکومت کے وسائل طے ہو جائیں تو خوراک لباس اور چھت کی وسیع تر فراہمی حکومت کی ذمہ داری بن جاتی ہے گے اسلامی معاشی اور معاشری نظام کے تکمیل عہد میں امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اس خیال سے پوری مملکت کی مردم شماری کرائی اور عوام کے نام دفتر میں محفوظ کئے گئے۔ ان کے روزینے مقرر کئے گئے اور حکومت کی آمدنی کو پورے معاشرے پر منصفانہ معیشت استوار کرنے کے لئے ممکن حد تک پھیلا دیا گیا۔ شروع میں شیر خوار بچوں کی ذمہ داری حکومت نے نہیں اٹھائی تھی مگر جونہی امیر المومنینؓ کو اس دلگدازیات کی اطلاع ہوئی کہ بعض عورتوں نے جائز مگر زیادہ معاشی سہولتیں حاصل کرنے کے لئے بچوں کے دودھ چھڑا کر ان کا نام عام لوگوں کی فہرست میں لکھوانا شروع کر دیا ہے اور بچے بھی اسلامی حکومت کی پیش کردہ معاشی سہولتوں کے حاصل کرنے کے برابر کے حق دار ہیں تو آپ نے اپنے پہلے حکم پر ندامت کا اظہار فرمایا اور حکومت کی معاشی کفالت میں ہر طبقے کو یہاں تک کہ ذمیوں تک کو بھی برابر کا شریک کیا۔ اس بارے میں حضور کا واضح ارشاد موجود ہے جسے سید قطب نے اپنی کتاب شبہات حول الاسلام میں شامل کیا ہے فرمایا "جو شخص ہماری (حکومت اسلامی کی) کوئی خدمت انجام دینے پر مامور ہو اگر وہ غیر شادی شدہ ہے تو اس کی شادی کرائی جائے گی۔ اگر اس کے پاس رہنے کو مکان نہیں تو مکان دیا جائے گا' خادم مہیا ہو گا اور سواری کو جانور دیا جائے گا۔" اگر اس ارشاد کو عمال اور حکومت کے ملازمین کے لئے خاص سمجھا جائے تو بحوالہ ترمذی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عوام الناس کے معاشی حقوق کے بارے میں یہ ارشاد تو اور بھی حقیقت کو کھول دیتا ہے کہ "بنی آدم کا بنیادی حق یہ

ہے کہ اس کے لئے ایک گھر ہو جس میں وہ ▪ سکے۔ کپڑا ہو جس سے وہ اپنے جسم کو ڈھانپ سکے اور کھانے کے لئے غذا اور پینے کے لئے پانی ہو۔" †

سورۃ طٰہٰ میں آدم کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **" ان لک ا ن لا تجوع فیھا و لا تعری۔ و انک لا تظموا فیھا و لا تضحی** بے شک تیرے۔ ہ یہ ہے کہ تو اس میں نہ بھوکا رہے اور نہ ننگا رہے اور یہ کہ تو اس میں نہ پیاسا رہے اور نہ دھوپ میں رہے: لیکن اس آیت کا مصداق ابن آدم بھی ہے جس کے لئے دنیا کو قرار گاہ بنایا گیا ہے اور جہاں اس کے لئے بھوک اور پیاس اور موسمی آفات سے بچاؤ کے لئے وسائل بھی مہیا کئے گئے ہیں جن کو اپنے تصرف میں لا کر اسے پہلے اس دنیا کو اپنے لئے جنت بنانا ہے اور یہاں کا خوشگوار اور معتدل معاشی رویہ ہی اسے اخروی جنت کا حق دار بناتا ہے کیونکہ یہاں انسان خدا کی نیابت اور خلافت کے فرائض بھی تو انجام دیتا ہے اور دنیا میں اچھی معیشت کا قیام اچھی نیابت کے فرائض میں سے ایک ہے لہٰذا انسان کے لئے لازم ٹھہرتا ہے کہ وہ اس دنیا میں اپنے معاشی حقوق کی تکمیل کے لئے تگ و دو کرے۔ اسی ذمہ داری کے احیاء کا اعلان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے قرآن کے مذکورہ اعلان سے کیا گیا ہے پس اسلامی معاشی نظام وہ تمدنی معاشی نظام ہے کہ جس طرح اس کا رب مخلوق کے ہر طبقے کی ربوبیت کرتا ہے اسی طرح اس معاشی نظام کو بھی اپنے ہر طبقے کی ربوبیت کے سامان کرنا ہیں۔

سا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ معاشی نظام کے استحکام کے عمل میں صاحب حیثیت اور نادار دونوں شریک ہوتے ہیں۔ کبھی تاریخ میں مواخات کی شکل میں ایثار پیشہ بن کر اور کبھی بے روزگاری کو ختم کر کے اس نظام میں معاشی جدوجہد کی اس قدر اہمیت ہے کہ بے روزگاری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بے عملی اور گداگری کو کبھی پسند نہیں فرمایا۔ ارشاد ہے " تم میں سے کسی کو زیب نہیں دیتا کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور روزی کی تلاش نہ کرے اور یہ کہتا رہے اللہ مجھے رزق عطا فرما۔" ایک مفلوک الحال اور بے کار شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانے اور

Marfat.com

بازار میں فروخت کر کے اپنی معاشی حالت سنوارنے کا حکم دیا تاکہ وہ بے کار نہ بیٹھے لوگوں کے سامنے دست سوال نہ دراز کرتا رہے اور اسلام کی معاشی ہیئت پر بوجھ نہ بنے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاشی نظام بے روزگاری کی ذمہ داری اٹھا کر ان کے لئے کام اور روزگار تجویز کرتا ہے اور پھر ان کی صورت روزگار اور اس کے نتائج کی نگرانی بھی کرتا ہے اور پھر ان کی صورت روزگار اور اس کے نتائج کی نگرانی بھی کرتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی شخص سے فرمایا کہ چند روز بعد اپنے کام کے نتائج سے انہیں آگاہ کیا جائے جو وہ کرتا رہا۔ اس رپورٹ سے یہ دیکھنا بھی مقصود تھا کہ کسب رزق جائز ذرائع سے کیا جا رہا ہے یا نہیں کسب حلال کو عبادت کے بعد دوسرا بڑا فریضہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرار دیا ہے۔ حدیث ہے کہ "صنعت و حرفت کے ذریعہ سے روزی کا حصول انسان پر فرض ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محنت اور کسب حلال کو اپنے پیش کردہ معاشی نظام کے بنیادی اجزاء قرار دیا ہے۔ فقہاء نے اسی بنیاد پر معاشی جدوجہد کو فرض عین اور پیداوار کے فروغ دینے کو فرض کفایہ قرار دے کر اسلام میں معاشی ترقی کے مفہوم کو ایک خوبصورت رخ دیا ہے۔ حضور کے اپنے الفاظ میں" اسباب معیشت غیر محدود ہیں' چنانچہ یہاں تک ارشاد ہوا کہ "عورتیں گھروں میں فارغ رہنے کی بجائے سوت کات کر کمائی کریں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بکریاں اور مرغیاں پال کر اپنے معاشی حالات بہتر بنانے کی تلقین فرمائی۔ یہ امور اسلام کی معاشری ہیئت میں معیشت اور تجارت کے تعلق کی اہمیت کی گواہی دیتے ہیں جبکہ تجارت کی مختلف شکلیں معیشت کے جسم کی ریڑھ کی ہڈی ہیں چنانچہ تجارت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بے نظیر اخلاقی ضابطے اپنے عمل سے تجویز فرمائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی تجارتی زندگی اعلیٰ درجہ کی تجارت اور تجارتی رویے کی خوبصورت گواہ ہے جس میں دیانت' امانت' اخلاص اور ایثار کو بنیادی اقدار کی حیثیت حاصل ہے اور جس میں بے شمار نظائر کسی بھی جدید معیشت کے لئے بطور نمونہ موجود ہیں مثلاً تجارت کے حوالے سے اگر سود کے بداثرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معاشرے میں

Marfat.com

بے پناہ فساد پیدا کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو الٰہی ہدایت کی روشنی میں آپ ایک ایسا واضح رویہ اختیار فرماتے ہیں کہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بھی اس معاملے میں ایثار پر مجبور کر کے دوسروں کے لئے ایک معاشی برائی کو ختم کر دینے کی ذاتی مثال پیش کر دیتے ہیں جس کے بعد مصلحت کی پناہیں تراشنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا۔ آخر کیوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجارت ایک کامیاب تجارت تھی؟ آپ نے آجر اور اجیر دونوں حیثیتوں میں کیوں اور کیسے ایک مثالی کردار پیش کیا؟ مدینہ کی منڈی میں آپ کا تقریباً روزانہ کا پھیرا کیوں رہتا تھا؟ بے کاری کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے اندر کس طرح تنفر پیدا کر دیا' کسب حلال کے لئے آپ کے سامنے لوگ طوعی طور پر کیوں تیار ہو گئے؟ سود خور کو کس بنیاد پر کس بات کا خوف دلا کر معاشرے سے اس لعنت کو ختم کر دیا گیا؟ گردش زر کی کیوں حوصلہ افزائی کی گئی؟ مزدور سے کیوں غیر معمولی محبت کا اظہار کیا گیا؟ مستکبرین اور مستضعفین کی نشان دہی کیسے کی جاتی رہی۔ فکری اور جسمانی عبادات میں دنیا کی روحانی تاریخ میں پہلی بار کیوں ایک مالی عبادت کو بھی شامل کیا گیا؟ یہ تمام رویے ایک لفظ میں سمٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نظام معیشت کے نفاذ کی کامیابی کے راز کو کھولتے ہیں اور وہ لفظ ہے "ایثار" غرض معاشی اصول و ضوابط اور نمونے اور نظائر اور اسوۂ حسنہ کا ایک ایسا عملی نقشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخ کی بساط پر رکھا جو عدل اجتماعی کی قیامت تک کے لئے قطعی ضمانت ہے۔ +

O

Marfat.com

Marfat.com

منہاج پنجم

فلاحی ریاست کے انداز

قبل از اسلام کا عرب قبائلی طرز زندگی' عدل اجتماعی' معاشرتی عدل اور باہمی فلاح و بہبود سے اول تو ناآشنا تھا اور جہاں کچھ تھوڑا بہت تھا بھی تو اس میں کوئی اجتماعی نظم اور تربیت نہیں تھی۔ عصبیت کی ایک منفی قدر البتہ قبائل کی روح میں کارفرما رہتی تھی۔ جس کا نتیجہ نظم کی بجائے انتشار کی صورت میں اکثر دیکھنے میں آتا رہتا تھا۔ عرب میں چونکہ ریاست ہی کا وجود نہ تھا اس لئے اجتماعی فلاح کی سوچ کے ابھرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ حلف الفضول کا عدل اجتماعی اور فلاح و بہبود کی سوچ پر استوار تصور اسی پس منظر میں مکہ کے چند سنجیدہ اور قوم کے خیر خواہ نوجوانوں کے ذہن میں کسی دنیاوی اور مادی صلے کی خواہش کے بغیر پیدا ہوا۔ انہی کی نیک نیتی اور خلوص سے متاثر ہو کر محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عنفوان شباب میں اس تحریک کی رکنیت اختیار کی اور پھر اسے نبھایا بھی یہاں تک کہ عمر کے آخری ایام تک اپنی بے پناہ وابستگی کا اظہار فرمایا۔

حقیقت یہ ہے کہ فلاح کا تصور اور پھر اس کے تقاضے' اخوت اور بھائی چارے کے وسیع تر تصور سے جنم لیتے ہیں۔ عربوں کے ہاں عصبیت کی منفی قدر تو اپنے وسیع تر مفہوم میں جگہ جگہ موجود تھی مگر اخوت کی مثبت قدر زندگی گویا یکسر عنقا تھی۔ یہ بات طے ہے کہ عصبیت سلسلہ وار خون خرابے اور اخوت دائمی فلاح و امن کے رویوں کو راہ دینے کا باعث بنتی ہیں۔ ہر چند کہ اسلام کی آفاقی اور لازوال دعوت کے اولین مخاطب تو عرب ہی تھے تاہم قرآن کا لہجہ پوری انسانیت اور آنے والے سارے وقتوں پر محیط ہے۔ چنانچہ قرآن نے آغاز اسلام ہی میں

کہہ دیا:

"یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا و نساء واتقوا اللہ الذی تسائلون بہ والا رحام۔"

"لوگو! اپنے اس پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا پھر اس کے جوڑے بنائے پھر ان دونوں سے مرد اور عورتیں کثیر تعداد میں پھیلا دیں۔"

اور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں خطبہ حجتہ الوداع ارشاد فرماتے ہوئے اعلان میں ایک سوال بھی کیا اور جواب بھی سنا:

"یا ایھا الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی و لا لعجمی علی عربی و لا لاحمر علی اسود و لا لاسود علی احمر الا بالتقوی الا ھل بلغت قالوا بلی رسول اللہ۔"

(مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ 59)

"لوگو! سنو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ سنو کسی عربی کو اس کی عربیت کے باعث کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو اس کی عجمیت کے باعث کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں اور سرخ رنگت والے کو سیاہ رنگت پر یا سیاہ رنگت والے کو سرخ رنگت پر کوئی افضلیت نہیں۔ فضیلت کی بنیاد تو صرف اللہ کے خوف پر ہے۔ پھر لوگوں سے پوچھا: کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔ انہوں نے کہا' ہاں' اللہ کے رسول آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔"

گویا یہ بات طے پا گئی کہ اسلام کا معاشرتی ریاستی فلاحی نظام جب بھی اور جہاں بھی تشکیل پائے گا وہ اپنی خوبصورت انتہاؤں کو نہیں پہنچ سکے گا جب تک اصولا اس کی بنیاد فلاح اور عدل اجتماعی پر نہ ہو گی اور جب تک نسلی تعصب' رنگتوں کے امتیاز اور علاقائی فخرو مباہات کے رویوں اور تصورات کی جڑ نہیں کاٹ کر رکھ دی جائے گی۔ قرآن نے اسلامی فلاحی ریاست کے تشکیلی مراحل کے دوران تاکیدا کہا:

Marfat.com

"انما المومنون اخوۃ ـــــــ یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم"

(الحجرات)

"تمہارے لئے اہل ایمان باہم بھائی ہیں۔ لوگو! ہم نے تمہیں مرد و عورت سے پیدا کیا پھر محض تعارف باہمی کی خاطر تمہیں شعوب اور قبائل بنا دیا۔ تم اس میں کچھ شک نہیں کہ تم میں معزز ترین تو وہ شخص ہے جو تم سب سے بڑھ کر خدا کا خوف رکھتا ہے"

ان آیات کے ساتھ سورہ آل عمران کی ذیل کی آیات بھی اس بات کی واضح شہادت ہے کہ آخری نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اسلامی فلاحی ریاست کے قیام میں کن واضح مثبت معاشرتی اقدار کی ترویج کے بعد کامیاب ہوئے:

"واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا و کنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا کذلک یبین اللہ لکم ایتہ لعلکم تھتدون"

(آل عمران)

"اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ تم باہمی دشمن تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی۔ اس احسان کے نتیجے میں تم بھائی بھائی بن گئے۔ حالاں کہ تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے مگر اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا اللہ ...... اس طرح اپنے نشانات کھول کر تمہارے لئے بیان کرتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تم ہدایت پا جاؤ۔"

قرآن نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اسلامی فلاحی ریاست کی کامیابی کا دارومدار محض وسائل اور دولت کی کثرت پر نہیں ہوتا بلکہ اصولاً" افراد ریاست کی باہمی محبت پر ہوا کرتا ہے۔ اگر باہمی محبت کا خوبصورت رویہ بیچ ہی سے عنقا ہو جائے تو صرف کثرت مال و وسائل ضروری نہیں کہ ریاست کے فلاحی وجود اور ہیئت کو واقعتاً اور عملاً فلاحی بھی رہنے دیں۔ یہ بات سورۃ انفال میں یوں کہی گئی ہے:

"لو انفقت ما فی الارض جمیعا - ما الفت بین قلوبھم و لکن اللہ الف

Marfat.com

بینهم○"

"اگر آپ زمین کے جملہ وسائل بھی ان پر خرچ کر دیتے تو بھی آپ ان کے دلوں کو متحد نہیں کر سکتے تھے۔ درحقیقت باہمی محبت تو ان کے درمیان اللہ نے ہی پیدا کی ہے۔"

اسلامی فلاحی ریاست ہی کے اعمال اور عوام کے باہمی اعتماد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"تمہارے بہترین سربراہان (آمام) اور قائدین وہ ہیں جنہیں تم چاہو اور وہ تمہیں چاہیں۔ جنہیں تم دعائیں دو اور وہ تمہیں دعائیں دیں اور تم میں بدترین رہنما وہ ہے جنہیں تم ناپسند کرو اور وہ تم پر لعنت بھیجتے ہوں اور تم ان پر لعنت بھیجتے ہو۔"

(مسلم)

یہ بھی فرمایا:

"جب تمہارے حکام تم میں نیک اور صالح ہوں' تمہارے مال دار تم پر فیاض ہوں اور تمہارے کام باہمی مشورے سے طے پائیں۔"

(بخاری و مسلم)

مدینہ میں اسلامی فلاحی ریاست کو تشکیل دیتے ہوئے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بنیادی طور پر لوگوں کو اخوت اور وحدت کے نصب العین کی طرف دعوت دی۔ چنانچہ یہ امر واقعہ ہے کہ کامیاب فلاحی اسلامی ریاست کے قیام میں رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہی تربیت کام آئی جو آپ نے کمال محنت کے ساتھ اپنے ساتھی عوام کی فرمائی۔ اس تربیت کے کچھ بنیادی نکات آپ نے اپنی ایک گفتگو میں ذیل کے الفاظ میں بے حد خوبصورتی کے ساتھ سمیٹ لئے' فرمایا:

" لا تجسسوا ولا تناجشوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباداللہ اخوانا"

(صحیح بخاری کتاب الادب)

"دیکھو باہمی تجسس نہ کیا کرو' بھاؤ چڑھانے کے لئے بولی نہ دو' حسد اور

Marfat.com

بغض نہ کرو' ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو۔ پس اللہ کے بندے اور باہم بھائی بھائی بن کر رہو۔"

مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد فلاحی معاشرہ تصور کے فروغ کے لئے ایک دستور العمل تیار کیا جس کا ایک حصہ مہاجرین اور انصار سے اور دوسرا مسلم عوام اور مدینہ میں آباد یہودی عوام کے ساتھ تعلق رکھتا تھا۔ اسے معاہدہ مدینہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

اس کی بعض شقیں واضح طور پر ایک فلاحی اسلامی ریاست کی نمود کی طرف اشارہ کرتی ہیں مثلاً:

ان النصر للمظلوم

"جو مظلوم ہو گا اس کی مدد کی جائے گی۔"

ان الجبار کالنفس غیر مضار و لا اثم

"پڑوسی اور پناہ لینے والوں کے وہی حقوق ہوں گے جو خود اپنی ذات کے ہیں۔ نہ کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا نہ کسی کے خلاف زیادتی ہو گی۔"

وان بینھم النصر علی من دھم یثرب

"جو یثرب پر حملہ کرے اس کے مقابلے کے لئے ایک دوسرے کی مدد کریں۔"

وان المومنین بعضھم مولی بعض وانہ من تبعنا من یھود فان لہ النصر والاسوۃ غیر مظلومین ولا متناصرین علیھا

"مسلمان ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہیں گے اور جو یہودی ہمارے زیر اثر ہوں گے۔ ان کی مدد کی جائے گی۔ ان کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ ہو گا۔ ان کے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے خلاف زیادتی کرنے والوں کا ساتھ دیا جائے گا۔"

وان بینھم النصح والنصیحۃ والبر دون الاثم

"ان کے باہمی تعلقات خیر خواہی' خیر سگالی اور نیکی و بھلائی کے ہوں گے' جرم اور گناہ کے نہیں۔"

یہ صحیفہ مذہبی آزادی کا اعلان بھی تھا کیونکہ اس میں وضاحت موجود تھی کہ مسلمانوں کے لئے ان کا دین اور یہود کے لئے ان کا دین اور مذہبی آزادی ایک فلاحی ریاست کا خصوصاً اسلامی ریاست کا طرہ امتیاز بھی ٹھہرتا ہے۔

پتے کی بات یہ ہے کہ پھر آپ نے اپنے پیش کردہ نکات کو اپنی سعی و کوشش سے مدینہ کی ریاست میں عملی شکل بھی دینا شروع کی اور مہاجرین و انصار کے مابین رشتہ مواخات کی استواری کی تحریک کا آغاز فرمایا:

"المسلم اخو المسلم لا یخونہ ولا یکذبہ ولا یخزلہ کل المسلم علی ا لمسلم حرام عرضہ و مالہ و دمہ۔"

(ترمذی - اگلبر وا لصلہ)

"مسلمان آپس میں بھائی ہیں وہ ایک دوسرے سے خیانت سے پیش نہ آئیں۔ جھوٹی بات نہ کہیں۔ ایک دوسرے کو بے آسرا نہ چھوڑیں۔ مسلمان کی ہر چیز ایک دوسرے کے لئے قابل احترام ہے۔ انہیں ہر حال میں ایک دوسرے کی جان مال اور عزت کی حفاظت کرنی چاہیے۔"

پھر اس رشتہ کو مزید گہرا کرنے کے لئے قیام محبت و اخوت باہمی کے لئے کچھ اور اصول بھی ہیئت معاشری پر نافذ کر دیئے گئے اور فرمایا:

"ان اللہ اذھب عنکم عصبیتہ الجاھلیتہ و فخرھا با لا باء انما ھو مو من تقی و فاجر شقی - الناس کلھم بنو ادم و ادم من تراب۔"

(ترمذی - ابواب المناقب)

"اللہ نے تم سے جاہلی عصبیت اور اپنے آباء و اجداد پر فخرو غرور کرنے کو دور کر دیا ہے۔ سنو! اب تو معاشرے میں دو ہی طبقے ہوں گے متقی مومن اور بدقماش بدبخت۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے تخلیق کیا گیا تھا۔"

مدنی معاشرہ عہد رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بھی بہر حال ایک انسانی معاشرہ تھا۔ تمام تر تربیتی اوصاف کے باوجود اس بات کا امکان تھا کہ کہیں کہیں اور کبھی کبھی تربیت سے ہٹی ہوئی کوئی خامی بھی نظر آ جائے جو ابھی تک اسلامی

Marfat.com

ریاست کے فلاحی رویوں میں موجود ہو تو ایسے ہی کسی موقع پر جو کچھ فرمایا' ابن عمرؓ اس کو روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک روز منبر پر کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے فرمایا:

"اے اسلام کا دم بھرنے والو! ابھی تک اسلام نے تمہارے دلوں میں گھر نہیں کیا کیوں کہ اگر اسلام دلوں میں اتر جائے تو تمہارا رویہ کبھی ایسا نہ ہو۔ مسلمانوں کو اذیت نہ دو' ان کے عیوب نہ تلاش کرو' نہ ان کی کمزوریاں چھانٹتے پھر۔ یاد رکھو! جو مسلمانوں کی کمزوریاں اور عیب تلاش کرنے کے پیچھے لگا رہتا ہے" اللہ اس کی پردہ دری کرتا ہے۔"

(ترمذی' البروالصلہ)

اسلام کا تصور اخوت دراصل تصور مساوات کا ہم معنی ہے جس نے مکے کے تاجر پیشہ قریش کو کاشت کار مدنی انصاریوں کا بھائی بنا دیا۔ اس فلاحی اسلامی ریاست میں قریش سے وابستہ سارے لوگ اور مدینہ کے تمام قبائل اور پھر آگے چل کر پورے عرب کی پہچان فقط ان کا مسلم ہونا قرار پائی۔ ان میں آزاد اور غلام اور عربی اور عجمی سبھی شریک ہوتے چلے گئے اور یوں باہمی فلاح کا تصور روز بروز مزید واضح ہوتا چلا گیا۔ کیا مجال ہے؟ جو کوئی بھی شخص اپنے دائرہ اخوت میں اپنی اسلامی فلاحی ریاست کے کسی بھی بھائی سے کسی بھی ناجائز انتفاع پر اتر آنے کا مظاہرہ کرتا۔ مکہ کے عبدالرحمن بن عوفؓ نے اپنے مدینہ کے انصاری بھائی سعد بن ربیعؓ کی دی گئی تمام سہولیات کی کھلی دعوت کو بڑے انکسار کے ساتھ رد کر دیا کہ میاں میں تاجر پیشہ آدمی ہوں۔ تم نے مجھ مہاجر کے لئے بہت ساری سہولتیں پیش کر دی ہیں۔ تمہاری بے حد مہربانی۔ اللہ تمہیں جزا دے مگر مجھے رقم ادھار دے دو اور منڈی کا راستہ دکھا دو۔ میں خود محنت کروں گا اور کماؤں گا۔ حبشہ کے بلالؓ کو اور روم کے صہیبؓ کو جو مکہ میں اپنے دولت مند آقاؤں کے غلام تھے اب اس فلاحی اسلامی ریاست میں عمرؓ جیسے وقار اور دبدبہ کے انسان' سیدنا کہہ کر پکارنے لگے۔ انسؓ سے غلام سیرین نے مکاتبت کی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے کچھ گریز کی صورت اختیار کی۔ سیرینؓ نے عمرؓ سے کہا' انہوں نے قرآن کا صرف

ایک ہی لفظ "فکاتبوھم" کہا اور انسؓ نے غلام سیرینؓ کی خواہش کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر دیا۔" صحیح بخاری: باب الکاتب)

زید ابن حارثؓ اس فلاحی اسلامی ریاست میں آزاد ہو کر سربراہ ریاست کے منہ بولے بیٹے بنے اور ان کے بیٹے اسامہؓ کو سربراہ ریاست نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بہت سارے قریش کی موجودگی میں اپنی زندگی کے آخری ایام میں سربراہ لشکر تعینات فرمایا اور پھر یہ اطلاع ملنے پر کہ اس نو تشکیل شدہ فلاحی اسلامی ریاست کے بعض ایسے لوگوں نے جن کے دلوں میں اب بھی کہیں قبائلی تفاخر کی جڑ باقی تھی، اسامہؓ کی اس تقرری پر گویا ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو ابن عمرؓ گواہ ہیں کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بہت واضح لفظوں میں سب کے سامنے فرمایا:

" ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بث بعثا و امر علیھم اسامتہ بن زید و طعن الناس فی امرتہ فقال ان تطعنوا فی امرتہ فقد کنتم تطعنون فی امرة ابیہ من قبل- و اسم اللہ ان کان لخلیقا لا مارہ و ان کان من احب الناس الی و ان ھذا من احب الناس الی۔"

(ترمذی: باب المناقب)

"رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک لشکر تیار کیا اور اس پر اسامہ بن زیدؓ کو امیر مقرر فرمایا اس پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا، آپؐ نے علم ہونے پر فرمایا:"

"تم اس کی امارت پر اعتراض کرتے ہو اور اس سے پہلے تم نے اس کے باپ کی امارت پر اعتراض کیا تھا اللہ کی قسم وہ امارت کے اہل تھا۔ اور تم سب میں سے وہی مجھے پیارا تھا اور اب یہ تم سب میں سے مجھے پیارا ہے۔"

یہ سب کچھ اس لئے کہا گیا کہ فلاحی مملکت کی بنیاد ہی سماجی عدل و انصاف پر ہے۔ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس رویے سے وہ محبت پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے جو آپ کو غلام زادے اسامہؓ سے تھی مگر جب ایک ایسا موقع پیدا ہو کہ اسلامی فلاحی ریاست کے سماجی مساواتی رویے اور اصول پر زد پڑ رہی

تھی تو اپنے پیارے اسامہؓ کی سفارش کو بھی رد کر دیا۔ ہوا یوں کہ عالی قدر بنو مخزوم کی ایک رئیس زادی فاطمہ سے چوری کا جرم سرزد ہوا جو ثابت بھی ہو گیا۔ اب فلاحی ریاست کے طے شدہ تعزیر کا نفاذ لازمی تھا اور اس میں ایک بڑے خاندان کی سبکی کا پہلو نکلتا تھا لوگ چاہتے تھے کہ رئیس زادی پر سزا کا نفاذ نہ ہو۔ حد جاری نہ ہو سکے۔ مشورہ سے اسامہؓ کی ذاتی حیثیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں سفارش کے لئے خدمت اقدس میں بھجوایا گیا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ساری بات سنی' چہرہ مبارک سرخ ہو گیا فرمایا: اسامہؓ خدا کی مقرر کردہ سزا کے بارے میں سفارش کرنے کا خیال تمہیں کیسے آیا؟ پھر اس عالم میں حضورؐ کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

"یا ایھا الناس انما ھلک الذین من قبلکم انھم کانوا اذا سرق فیھم الضعیف اقاموا علیہ الحد و ایم اللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا"

(ابن ماجہ: کتاب الحدود)

"لوگو! تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہو گئے کہ ان میں سے جب کسی بڑے نے چوری کی تو اسے چھوڑ دیا گیا اور اگر کسی کمزور نے چوری کی تو اسے سزا دی گئی۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے گی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔"

نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیر نگرانی قائم شدہ اسلامی فلاحی ریاست نے اس کے عمال اور اس کے عوام میں خواہ وہ علاقہ عرب میں تھے یا عجم میں ایسے مستحکم فلاحی رویے پیدا کر دیئے تھے جو تاریخ کی صحت مند روایتوں کا حصہ بن گئے اور ان کے اثرات جب تک باہم اخوت اور محبت اور مساوات کا چلن رہا کچھ دور تک تو بہر حال مثبت طور پر مرتب ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ اسلامی ریاست کے اسی فلاحی معاشرتی عمل نے بعض جگہوں پر غیر مسلم مفتوحہ اقوام کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیا۔

یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی فلاحی ریاست کے قیام کا پہلا مرحلہ خود

Marfat.com

نبی اکرمؐ کے وجود اور قول و فعل سے ہی عمل میں آیا۔ مگر خلافت راشدہ اس ریاست کے تصور اور تقاضوں کا دوسرا تکمیلی مرحلہ تھا جو حضورؐ کے تربیت یافتہ اور ہدایت یافتہ افراد کے ذریعے عمل میں آیا۔ یہ دور اس لئے حجت قرار پاتا ہے کہ اسی کے لئے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا تھا:

"علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین۔ عضو اعلیھا بالنوا جذہ" "تمہارے لئے میرا طریق اور میرے راشد اور ہدایت یافتہ خلفاء کے طریق کا اتباع کرنا ضروری ہے اور تم اسی کو مضبوطی سے اختیار کرو۔"

چنانچہ اسلامی فلاحی ریاست کے تصور اور تقاضوں کی وضاحت کرتے ہوئے اسی خلافت کے نظام کا پیش کرنا بھی ضروری ٹھہرتا ہے جسے نبی اکرمؐ نے علی منہاج نبوت کی سند عطا کر رکھی ہے۔

چنانچہ عہد عمرؓ میں مسلمان افواج کا فتوحاتی دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا۔ اس میں ایک آدھ مقام پر آگے بڑھ کر پھر بوجوہ پیچھے بھی ہٹنا پڑا۔ مثلاً حمص پر جنرل ابو عبیدہ بن الجراح پہلے قابض ہوئے شہر میں اسلامی عدل اجتماعی کی داغ بیل ڈالی۔ یہ رومی علاقہ تھا یہاں مقامی شہریوں کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی اور فوجی خدمت سے بری کرتے ہوئے ان سے جزیہ کی رقوم وصول کیں پھر کچھ عرصہ بعد شہر چھوڑنا پڑا تو جنرل ابو عبیدہؓ نے ساری رقم یہ کہتے ہوئے واپس لوٹا دی کہ چونکہ ہم تمہاری حفاظت نہیں کر پائے اس لئے ہم یہ رقم بھی اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تاریخ نے اس موقع پر شہریوں کی طرف سے ادا کردہ وہ جملے محفوظ کر لئے جو انہوں نے مسلمان فلاحی ریاست نمائندوں کے خوبصورت رویوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہے تھے:

"ان عدلکم احب الینا من ملکو کنا۔"

"مسلمانو! تمہارا انصاف پر مبنی رویہ ہمارے اپنے بادشاہوں کی نسبت زیادہ پیارا ہے۔"

جنرل ابو عبیدہؓ کا یہ رویہ درحقیقت قرآن مجید کے ارشاد کی روشنی میں

Marfat.com

سامنے آیا تھا جو سورہ مطففین میں صراحت سے موجود ہے اور جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ لوگ جہنمی ہیں جو اپنا حق تو عوام سے پورا پورا وصول کریں مگر جب عوام کو ان کے حقوق منتقل کرنے کا موقع پیدا ہو تو گریز کی صورت اختیار کریں۔ قرآن ایسے شخص کو مطفف کہتا ہے۔ جس کے دینے اور وصول کرنے کے پیمانے مختلف ہوں۔ گویا اسلامی فلاحی ریاست کی بنیاد منافقت پر نہیں رکھی جا سکتی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان نظری اور عملی تعلیمات ہی کی روشنی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے معاشی حقوق کے معاملے میں مساوات (تسویہ) کا اصول اپنے نظام حکومت کی اساس بنایا اور اسی بنیاد پر مردوں' عورتوں' آزادوں' غلاموں بڑوں اور چھوٹوں کو ملکی دولت میں یکساں اور برابر قرار دیا۔ اس سلسلے میں آپ کی پالیسی یہ رہی کہ ریاست لوگوں کی فلاح کی خاطر ان کی معاشی ضرورتوں کا تکفل کرے اور اس کے لئے ایک ہی معیار ہو جو سب کے لئے یکساں ہو۔ آپؓ نے فرمایا:

فاما هذا المعاش فالتسوية فيه خير

"معاشی معاملوں میں مساوات کا اصول ہی بہترین ہے۔"

اسلام کا اقتصادی نظام از حفظ الرحمٰن 154

شیخین نے ذمی رعایا سے جو شاندار سلوک کی مثالیں ان کی تاریخ کے صفحات پر اپنے عمل سے ثبت کی ہیں وہ محض اسوۂ حسنہ کی پیروی ہے اور اس میں یکسر اسلامی ریاست کی غیر مسلم رعایا کی بہبود اور فلاح کے سامان ہی نہیں' وسیع القلبی کا اظہار بھی موجود ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے کمانداروں کو کہا:

"تمہیں کچھ نصیحتیں کرتا ہوں کہ تم بچے بوڑھے اور عورت کو قتل نہ کرنا' پھل دار درخت نہ کاٹنا' آبادیوں کو ویران نہ کرنا' بکری اور اونٹ کھانے کے سوا بے کار ذبح نہ کرنا' نخلستان نہ جلانا۔ مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا۔"

(تاریخ الخلفاء' سیوطی)

Marfat.com

اہل حیرہ کے ساتھ معاہدے میں یہ الفاظ شامل تھے۔

"ان کی خانقاہیں اور گرجے گرائے نہیں جائیں گے۔ کوئی ایسی عمارت نہیں گرائی جائے گی جس میں مصیبت کے وقت قلعہ بند ہوا جاتا ہے۔ ناقوس بجانے کی ممانعت نہ ہو گی۔ تہواروں میں صلیب نکالنے سے منع نہ کئے جائیں۔"

(کتاب الخراج)

خالد بن ولیدؓ نے دمشق کی فتح کے بعد اہل شہر کو ان لفظوں میں امان دی:

"ان کی جانوں اور ان کے مال اور ان کے گرجوں کو امان دی جاتی ہے۔ ان کے شہر کی فصیل نہیں گرائی جائے گی اور ان کے مکانات میں مسلمان سکونت اختیار نہیں کر سکیں گے۔ یہ ان کے ساتھ اللہ کا عہد ہے اور اس کے رسولؐ کی ذمہ داری ہے اور خلفاء اور اہل ایمان اس کے ذمہ دار ہیں جب تک وہ جزیہ دیں گے۔ ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک ہو گا۔"

(بلاذری فتوح البلدان)

بیت المقدس (ایلیا) کے شہریوں کے ساتھ معاہدہ تحریر کرتے وقت حضرت عمرؓ خود وہاں موجود تھے۔ انہوں نے خود لکھوایا:

"ایلیا کے لوگوں کو ان کی جان و مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور تمام مذاہب والوں (مذہبی قائدین) کی حفاظت کی ضمانت دی جاتی ہے۔ نہ ان کے گرجاؤں کو مکانوں میں تبدیل کیا جائے گا اور نہ انہیں گرایا جائے گا۔ ان کی چار دیواری کی بھی حفاظت کی جائے گی۔ ان کی صلیبیں بھی قائم رہیں گی ان کے مال کی بھی حفاظت کی جائے گی۔ مذہب میں ان پر ذرا بھی جبر نہ کیا جائے گا۔ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی جائے گی۔ ایلیا میں یہودی ان کے ساتھ نہ رہیں گے۔ ایلیا والے اس کے بدلے میں جذیہ ادا کریں گے اور یونانیوں کو نکال دیں گے۔ یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان و مال کی اس وقت تک حفاظت کی

جائے گی جب تک وہ اپنی جائے پناہ میں نہ پہنچ جائے اور جو یونانی ایلیا میں رہنا پسند کرے گا اس کو بھی امان ہے۔ ہاں اسے جزیہ دینا ہو گا۔ ایلیا والوں میں بھی اگر کوئی شخص یونانیوں کے ہمراہ جان و مال کے ساتھ جانا چاہئے تو اسے ان کے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے۔ یہاں تک کہ وہ بھی اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں۔"

مستحکم بنیادوں پر قائم ہونے والی اسلامی فلاحی ریاست نے اپنا یہ شعار غیر مسلم رعایا کے لئے اسوۂ حسنہ کے ان نقوش کی تقلید میں مرتب کیا تھا کہ نبی اکرمؐ اپنے یہودی ہمسائیوں کے بیمار مردوں کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور یہودی کا کوئی جنازہ بھی اگر مدینہ کی گلیوں سے گزرتا تو آپ اس کے احترام میں اٹھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور عدالتی امور میں ان کی شہادتوں کو قبول کرتے اور ان کا قتل ایک انسان کا قتل شمار ہوتا تھا۔ حلف الفضول کے تحت وضع کردہ اہداف کے الفاظ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

باللہ لنکونن یدا واحدۃ مع المظلوم علی الظلم حتی مع المظلوم علی الظالم حتی یودی الیہ حقہ — وعلی التاسی فی المعاش

"خدا کی قسم ہم سب مل کر ایک مٹھی بن جائیں گے۔ اور اس وقت تک مظلوم کا ساتھ دیں گے جب تک ظالم اس کو اس کا حق ادا نہ کرے — اور یہ کہ ہماری معیشت کا انتظام مساوات کے اصول پر ہو گا۔"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس انجمن کے مقاصد کے اس قدر مداح تھے کہ نبوت ملنے کے بعد بھی آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ میں حلف الفضول میں شرکت کے اعزاز سے سرخ اونٹوں کے گلے کے عوض بھی دست بردار ہونا نہیں چاہتا اور اگر اب بھی کوئی مجھے اس قسم کے مقاصد کی طرف دعوت دے تو میں اس کی مدد کے لئے حاضر ہوں گا۔

شام کی فتح کے پندرہ برس بعد ایک نطوری عیسائی پادری نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں اپنے دوست کو ایک خط میں لکھا:

"یہ طائی (عرب) جنہیں خدا نے آج کل حکومت عطا کی ہے ہمارے بھی

Marfat.com

مالک بن گئے ہیں لیکن وہ عیسائی مذہب سے مطلق برسرپیکار نہیں بلکہ تو ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہمارے پادریوں اور قدسیوں کا احترام کرتے ہیں اور ہمارے گرجوں اور کلیساؤں کو جاگیر عطا کرتے ہیں۔"

یہ رویہ اس لئے پیدا ہوا کہ معاہدہ مدینہ میں ایک شق موجود تھی جس سے انصار' مہاجرین' مشرکین مدینہ اور یہود سب من حیث المجموع مراد تھے۔ اور انہیں غیروں کے مقابلے میں ایک جماعت قرار دیا گیا تھا۔

"انهم واحدة من دون الناس" -

"یہ باہم معاہدہ کرنے والے لوگ دوسروں کے مقابلے میں جماعت ہوں گے۔"

اسلامی فلاحی مملکت میں فلاحی رویہ نمو پذیر ہی تب ہو سکتا ہے اگر اس کے تمام شہری مسلم اور غیر مسلم جماعت واحدہ بن کر ریاست کی خدمت کریں۔ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسلامی فلاحی ریاست کے عوام اور خواص کو تمثیل سے واضح کیا ہے۔ فرمایا:

"مثل المومنین فی توادهم و تراحمهم و تعاطفهم کمثل الجسد اذا اشتکی عضو اشتکی له سائر الجسد بالسهر والحمی

"باہمی محبت' رحمت اور شفقت کے اعتبار سے اہل ایمان کی مثال ایک جسم کی مانند ہے۔ جب کسی حصہ جسم کو تکلیف پہنچتی ہے تو گویا سارا جسم بخار اور بے خوابی کی کیفیت کا شکار ہو جاتا ہے۔"

مسلمان معاشرے کی یہی جسمی ہیئت دراصل وہ فلاحی ریاست تھی جس کی بنیاد رسول اکرمؐ نے رکھی یعنی انسانی جسم میں سر اور پاؤں کے فرائض اور واجبات بے شک مختلف ہوں مگر جیسے سر اور پاؤں کو الگ کر کے جسمی ہیئت انسانی قائم نہیں رہ سکتی اسی طرح فلاحی ریاست اور معاشرے میں عوام کی خبرگیری اور ان کی دیکھ بھال سے اعمال اور سربراہان اغماض نہیں برت سکتے۔ ایسا اغماض ایک جرم بن کر فلاحی

Marfat.com

ریاست کے تصور ہی کو فنا کر دینے کا باعث بنے گا۔

نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جس فلاحی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ اس کا وجود عملاً صرف اس لئے ممکن ہو سکا کہ آپ نے اپنے عوام کے سامنے قیادت کی بے نظیر مثالیں پیش کیں۔ جنگ احزاب میں راتوں کی بے پناہ ٹھنڈک اور دن کے اوقات طویل اور چوڑی خندق کی کھدائی کی تھکا دینے والی مشقت میں آپؐ نے خود برابر کا حصہ لیا۔ یہ مسلمانوں کے لئے بھوک اور پیاس کے دن تھے۔ غذا بہت کم میسر تھی۔ بعض لوگوں کو تین تین دن سے فاقہ تھا۔ پیٹ پشت سے جا لگے تھے۔ پھر جب کسی ساتھی نے حضور کے ساتھ شدید بھوک کی شکایت کی تو آپؐ نے اپنے پیٹ سے قمیض کو اٹھایا۔ وہاں ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ برابر کی اس محنت میں اپنے پیغمبر اور جنگی قائد کی حالت دیکھ کر سب کی ہمتیں لوٹ آئیں۔ کارکردگی کی قوت دگنی ہو گئی۔ ایسے ہی معاشرتی عدل اور برابری کا ایک نمونہ جنگ بدر کے فوراً بعد مدینہ پہنچ کر اس وقت بھی ہوا تھا۔ جب قیدیوں کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا گیا اور ان میں زخمی بھی تھے جن میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) سربراہ ریاست کے چچا عباسؓ بھی تھے۔ جو رات بھر زخموں کی شدت سے کراہتے تھے اور قریب ہی حضور کو اپنے خونی رشتہ کی وجہ سے دکھ ہوتا تھا اور نیند نہیں آتی تھی.... صحابہ کو اس بات کا احساس ہوا تو انہوں نے پوچھا ___ عباسؓ کے بندھن ڈھیلے کر دیں تاکہ انہیں تکلیف نہ ہو فرمایا: تب پھر صرف میرے چچا عباس ہی کیوں؟ سارے زخمیوں کے بندھن ڈھیلے کر دیئے جائیں۔ گویا آپ یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ میں اپنی قائم کردہ فلاحی ریاست میں جو معاشرتی عدل چاہتا ہوں۔ اس میں سب کے ساتھ مساوات اور برابری کا سلوک ہو گا۔

امیرالمومنین عمرؓ اپنے عہد خلافت میں ایک غلام کے ہمراہ دوران جنگ بیت المقدس کے دورہ کے لئے طویل سفر پر روانہ ہوئے تو سواری جو واحد تھی اس پر اپنے خادم کے ساتھ باری مقرر کر لی۔ عجیب اتفاق ہوا کہ شہر میں داخلہ کے وقت باری سے خادم گھوڑے پر سوار تھا اور صدر ریاست پیدل ساتھ چل رہے تھے۔ یہ نظارہ اپنوں بیگانوں سب نے دیکھا اور فلاحی اسلامی ریاست کے امیر کے

Marfat.com

معاشرتی عدل کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ فلاحی اسلامی مملکت کے امیر اور اس کے سرکاری خادم کی واحد سواری، ایک سا لباس، کھانے کے لئے ستوؤں اور کھجوروں کا ایک ہی تھیلا اور پانی کی چھاگل۔ بیت المقدس کے گرجے کو دیکھتے ہوئے نماز کے وقت دعوت کے باوجود انہوں نے گرجا کے صحن میں نماز پڑھنے سے کچھ تامل کے بعد صاف انکار کر دیا۔ اس بنیاد پر کہ آنے والی مسلمان حکومتیں اور نسلیں اسے سند اور مثال بنا کر اقلیتوں کے معبدوں پر قبضہ نہ کر سکیں۔ جب کہ نجران کے عیسائی وفد کو عبادت کے لئے خود نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بحیثیت سربراہ مملکت اجازت مرحمت فرمائی تاکہ اسلامی فلاحی ریاست میں غیر مسلم خود کو بے حفاظت محسوس نہ کریں۔

نظریاتی اختلاف کے باوجود نبی اکرمؐ نے اس بات کو مدینہ میں قائم کردہ اپنی فلاحی ریاست کی ذمہ داریوں میں سے خیال کیا کہ ہمسایہ دشمن علاقے میں اگر کبھی انسانیت کو آفات قدرتی کی شکل میں قحط وغیرہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہاں بھی اپنی طرف سے امداد کا سلسلہ دراز کیا جائے۔ چنانچہ ایک موقع پر مکہ میں اشیائے خوردونوش کی کمی پیدا ہو گئی اور ابو سفیان بحیثیت ایک سربراہ قوم کے قریش کی ضروریات پوری کرنے سے قاصر رہے تو نبی اکرمؐ نے از خود بہت سارے اجناس اور کھانے پینے کی اشیاء مکہ پہنچا دیں۔ تب جھنجلاہٹ کے باوجود ابوسفیان نے اسے قبول اور وصول کیا۔ یہ بات صلہ رحمی کے ساتھ ساتھ خیر سگالی کے جذبات کا اظہار بھی تھی۔ جو ہمسایہ ریاستوں کے لئے اسلامی ریاست کا طرۂ امتیاز ہے چنانچہ خلفائے راشدین نے اس بات کی اصولی روح کو اپنے ہاں قائم رکھا اور حضرت عمرؓ نے ایام قحط میں جب لوگ مدینہ اور اس کے نواح میں جمع ہو گئے تو شام اور بصرہ سے اپنے والیوں سے خصوصی امداد طلب کی اور ہنگامی حالات میں بھوکے اور بے بس عوام کی روز مرہ کی خوراک کی ضروریات کو پورا کرنے کے سامان کئے۔ یہی نہیں بلکہ اس ساری صورت حال کی خود نگرانی کی۔ عمرانؓ فاقہ زدہ عوام کے لئے خود جانوروں کو ذبح کراتے۔ بڑے بڑے دیگچوں میں سالن تیار کراتے اور پھر لوگوں کو اجتماعی کھانا کھلاتے ہوئے ان کے پاس کھڑے رہ کر اطمینان سے اپنی ذمہ

داری کو پورا ہوتے دیکھتے اور اللہ کا شکر ادا کرتے یہاں تک کہ مدینہ کی ریاست کے نواحی عوام کے لئے قحط کی یہ کیفیت دور ہو گئی اور وہ رسد ہمراہ لے کر گھروں کو لوٹتے رہے۔

فلاحی ریاست عدل و انصاف کے غیر جانب دار تصور کے نفاذ کے بغیر کبھی قائم نہیں ہو سکتی اور یہ تصور قرآن ان الفاظ میں بطور اصول کے فلاحی ریاست کو عطا کرتا ہے:

"لا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا۔ اعدلوا ھو اقرب للتقوی

(المائدہ)

"کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم ان سے عدل نہ کرو۔ تقوی کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیشہ عدل کرو اور ہر ایک سے عدل کرو۔"

اسلامی فلاحی ریاست میں حاکم کو فیصلہ اپنے یا اپنے قبیلہ کے خلاف بھی کرنا پڑے۔ یا یہ فیصلہ طبقہ امراء ہی کے خلاف کیوں نہ ہو تو صرف یہ کہ عدل کے تقاضے پورے ہوں گے بلکہ اسے بھی معاشری فلاح کی ایک صورت کہا جا سکتا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

"یا ایھا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شھداللہ ولو علی انفسکم اوالوالدین والاقربین ان یکن غنیا او فقیرا فاللہ اولی بھما فلا تتبعوا الھوی ان تعدلوا۔ وان تلوا او تعرضوا فان اللہ کان بما تعملون خبیرا۔" (النساء)

"اے اہل ایمان۔ تم نظام عدل قائم بھی کرو اور اللہ کی خاطر اس کی نگرانی بھی کرو خواہ یہ بات تمہارے اپنے یا والدین یا رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ جائے۔ کوئی امیر ہو یا غریب اللہ نے تم پر جو ذمہ داری عائد کی ہے یہ اس کا تقاضا ہے اور ایسا نہ ہو کہ تمہارے ذاتی میلانات عدل کی راہ میں حائل ہو جائیں اور تم کوئی گول مول سی بات (فیصلہ کر) جاؤ یا پہلوتہی کر کے اپنا دامن بچا لو۔ یاد رکھو! جو کچھ بھی تم

Marfat.com

کرو گے اللہ کی نظر میں ہو گا۔"

نبی اکرمؐ نے محض فلاح عوام کی خاطر اور عدل و انصاف کے قیام کی خاطر ایک خوبصورت سلجھاوا دیتے ہوئے حضرت علیؓ سے فرمایا:

"اذا جلس بین یدیک الخصمین فلا تقض بینھم حتی تسمع من الاخر کما سمعت من الاول فانہ اخری کما سمعت من الاول فانہ اخری ان تبین لک القضاء

"جب تیرے پاس جھگڑنے والے آئیں تو تو اس وقت تک ان کے درمیان فیصلہ صادر نہ کر جب تک کہ تو پہلے اور دوسرے دونوں کا بیان نہ سن لے۔ یوں تجھے درست فیصلہ دینے کا موقع ملے گا۔"

(ترمذی' ابوداؤد' مسند احمد بن حنبل)

قیام عدل کی اس فلاحی روح کے زیر اثر حضرت عمرؓ نے قاضی کو حکم دیا تھا کہ فیصلہ کرتے ہوئے قرآن و سنت اور ہدایت یافتہ قائدین کے نظائر کو پیش نظر رکھا جائے بلکہ بعض صورتوں میں:

"فاجتھد رائک واستشر اھل العلم والصلاح"

"اپنی رائے اور اہل علم کے ساتھ مشورہ اور صلاح سے بھی کام لے سکتے ہو۔"

(اعلام الموقعین - ابن قیم ج1- ص 30)

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اجتماعی فلاح و بہبود کی بے شمار مثالیں چھوڑی ہیں۔ انہوں نے شہر میں راتوں کو گشت لگا کر بیماروں اور ضرورت مندوں کی مدد کے سامان کئے۔ فوجیوں اور ان کے اہل و عیال کی فلاح و بہبود کا پورا پورا اور ہر جگہ خیال رکھا۔ عوام کی پرانی خدمتوں اور قربانیوں پر درجہ وار مستقل صلوں کی ادائیگی کو رواج دیا۔ نسل کو صحت مند اور بہترین بنانے کے لئے حاملہ ماؤں اور دودھ پیتے بچوں کے معقول وظائف مقرر کر دیئے۔ دریائے فرات کے کنارے ایک ذی روح جانور کے بھوکا رہ جانے پر اپنے آپ کو ذمہ دار قرار دیا۔ ذمی اور غیر مسلم بوڑھے اور نابینا اور دست نگر افراد کو بھی بیت المال سے

Marfat.com

وظائف دینے کی طرح ڈال دی۔ آرمینیا کے گورنر کی طرف سے بطور سوغات آنے والے لذیذ حلوہ کو اس لئے لوٹا دیا کہ سب کو نہیں مل سکتا تو مجھے کیوں ملے۔ قیصر روم کی بیوی کی طرف سے اپنی اہلیہ کے لئے بھجوائی جانے والی عطر کی شیشیاں بیت المال میں جمع کروا دیں کہ سرکاری تحائف پر امیر مملکت کچھ حق نہیں رکھتا۔ قحط کے ایام میں بیت المال کے اونٹ سرکاری طور پر ذبح کر کے عوام میں تقسیم کئے۔ اور جب کچھ اچھا گوشت اپنے گھر میں بطور خاص دیکھا تو استفسار کے بعد یہ معلوم ہونے پر کہ ہر گھر میں ایسا تو نہیں بھجوایا گیا اسے واپس لوٹا دیا۔ یہ جملہ اسی موقع پر ادا ہوا: "کیا لوگ ہڈیاں چچوڑیں اور میں عمدہ گوشت کھاؤں۔"

انہیں دنوں گھی میسر نہیں آ رہا تھا لوگوں کے ساتھ امیر مملکت بھی تیل استعمال کرنے پر مجبور ہوئے۔ امیرالمومنین کو اس کی عادت نہ تھی پیٹ خراب رہنے لگا۔ قر قر کی آواز آنتوں سے آتی تھی آپ پیٹ پر ہاتھ رکھتے اور کہتے "تجھے اس وقت تک بہر حال تیل ہی کھانا ہو گا۔ جب تک دوسروں کو کھانے کے لئے گھی نہیں ملے گا۔ ایک والی کی بارے میں علم ہوا کہ اس کے پاس بہت دولت جمع ہو گئی ہے اسے طلب کیا اور پوچھا: یہ سب مال تمہارے پاس کہاں سے آگیا' تنخواہ تو اتنی نہیں ہے اس نے کہا میں نے تجارت کی تو بہت نفع ملا۔ فرمایا:

انا واللہ ما ارسلنک للتجارۃ

"اللہ کی قسم! ہم نے آپ کو تجارت کے لئے تو وہاں نہیں بھجوایا تھا۔"

گویا اسلامی فلاحی ریاست میں فرض کی ادائیگی اور اپنے کام سے کام رکھنا ایک بنیادی قدر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ تمام تر روایتیں محض فلاح عوام کی خاطر دی جا رہی ہیں۔ محض فلاح عوام کی خاطر حضرت عمرؓ نے اپنے والیوں کے لئے یہ بات لازم قرار دی تھی کہ فیصلے کے بعد اس کی تنفید بھی ہر حالت میں کی جائے بصورت دیگر عوام کے لئے پورا نظام عدل بے کار ہو جاتا ہے۔

"اگر آپ کے پاس کوئی مقدمہ لایا جائے تو غور و فکر اور پوری طرح سمجھ کر فیصلہ کیجئے اور اس کی تعمیل کرائیے۔ بغیر تعمیل کے اچھے سے اچھا فیصلہ بھی بے کار ہے۔ فریقین سے برابری کا برتاؤ کیا جائے تاکہ کمزور آپ

Marfat.com

کے عدل سے مایوس نہ ہو جائے اور طاقت ور ظالم اس سے بے جا فائدہ نہ اٹھائے۔ فیصلہ کر چکنے کے بعد نظرثانی میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اصل بات تو حق رسانی اور انصاف ہے۔"

(عہد نبوی میں نظام حکمرانی: ڈاکٹر حمید اللہ ص 172)

سیرت ابن ہشام کی روایت کے مطابق:

"نبی کریمؐ نے خود اپنی ذات کے خلاف نارث اور دیوانی دونوں قسم کے مقدمات سنے اور مدعیوں کے حق میں فیصلے صادر کئے۔"

(عہد نبوی کا نظام حکمرانی حمید از ص 175)

نبی اکرمؐ نے جس فلاحی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اس کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی تھا کہ جاہلیت یا جہالت کے تمام آثار بھی مٹا دینے کی سعی کی جائے اور حکومت یہ کام کسی مناسب مرحلے پر اعلان اور وحی قرآن کی نظیر پیش کرتے ہوئے بجا لائے کیونکہ فی الاصل یہ ایک مشکل کام ہے۔ 10 ہجری میں جبل الرحمۃ پر دیئے گئے۔ شاندار خطبہ حجۃ الوداع میں ڈیڑھ لاکھ کے اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے انسان کے تین بنیادی حقوق کی طرف توجہ دلائی یعنی یہ کہ جان' مال اور آبرو ہر حالت میں قابل احترام ہیں۔

امانتیں اور قرض واپس ادا کئے جائیں۔

زمانہ جاہلیت کا سود ختم کیا جاتا ہے (اور ذاتی مثال کا اعلان کہ) چچا عباسؓ کی سودی رقوم کالعدم ہیں۔ زمانہ جاہلیت کے قتل بھی بھلا دیئے جائیں (اور اپنے چچا زاد بھائی کا خون معاف کرنے کا اعلان کیا) قتل عمد میں قصاص لیا جائے گا۔

غلاموں اور عورتوں سے حسن سلوک کیا جائے۔

استحصال کے لئے بھی اس ریاست میں ہرگز کوئی جگہ نہیں۔ غسانی عرب بادشاہوں کے سلسلے کا آخری بادشاہ ایک متکبر جبلہ بن ایہم تھا۔ 16 - ہجری میں اس نے اپنے بہت سارے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ پہنچ کر بظاہر اسلام قبول کیا اور پھر مکہ میں حج کرنے چلا گیا۔ وہیں دوران طواف حرم میں اس کی چادر پر کسی غریب مسلمان کا پیر آگیا جس پر جبلہ کر گرنے کو ہوا اور پلٹ کر ایک زناٹے کا تھپڑ

Marfat.com

اس نے اس غریب کے منہ پر یوں دے مارا کہ اس کی ناک ٹوٹ گئی اس نے وہیں امیر ریاست عمرؓ کے سامنے شکایت کی۔ آپ نے جبلہ کو طلب کیا اور اس ظلم پر ڈانٹ پلائی اور فرمایا:

"افتد نفسک والا امرتہ ان یلطمک"

"یا تو اس شخص کو فدیہ ادا کرو ورنہ میں اسے حکم دوں گا کہ وہ تمہیں تھپڑ مارے۔"

غسانی بادشاہ جبلہ کا غرور ابھی کہاں گیا تھا اس نے رات کی مہلت مانگی اور پھر اندھیرے میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ چھوڑ گیا۔ اس نے کہا تھا کہ میں بادشاہ ہوں' یہ عام آدمی ہے میری اس سے کیا برابری؟ اور عمرؓ نے کہا کہ اسلامی فلاحی ریاست کے نظام عدل معاشری میں تم دونوں کی حیثیت مساوی ہے۔ عمرؓ نے بحیثیت سربراہ ریاست ایک بادشاہ کا ارتداد قبول کر لیا مگر ریاست کے اصول کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ جبلہ کی خاندانی اور نسلی عصبیت پر آپ نے اسلام کے معاشرتی عدل کی قربانی ہرگز گوارا نہیں کی۔ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اللہ کے حکم کے تحت بطور فرض جس معاشرتی عدل کو نماز اور حج کی عبادات میں رواج دیا تھا اسے آگے چل کر باقاعدہ تشکیل پانے والی فلاحی اسلامی ریاست میں زندگی کی مختلف سطحوں پر عملاً بھی نافذ ہوتا تھا۔ زکوٰۃ اور صدقات اور فدیہ اور قربانی کے تصورات نے اس ریاست میں عملاً فلاحی روح کو فروغ دیا تھا۔

درحقیقت اسلامی فلاحی ریاست کا وجود ہی تب قائم ہوتا ہے جب یہ طے ہو جائے اور تسلیم کر لیا جائے کہ عہدہ اور منصب ایک امانت ہے اور منصب دار اس کا امین ہے۔

ابوذر غفاریؓ سے دوران گفتگو ایک موقع پر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اور یہ ایک ایسا موقع تھا جب ابوذرؓ نے خود کسی عہدے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

یا اباذر انک ضعیف وانہا امانۃ وانہا یوم القیامۃ خزی وندامۃ الا من اخذھا بحقہا وادی الذی علیہ فیہا

Marfat.com

(صحیح مسلم باب الامارۃ)

"ابوذرؓ تم کمزور آدمی ہو اور منصب ایک امانت ہوتا ہے جو قیامت کے دن رسوائی اور ندامت میں پریشانی کا موجب بنتا ہے۔ سوائے اس کے جس نے اسے مناسب طریق سے ادا کیا اور اس کی ذمہ داری صحیح طور پر نبھائی۔"

اور قرآن مجید اس ارشاد کا مصداق ہے

"ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانتہ الی اھلھا و اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللہ نعما یعظکم ان اللہ کان سمیعا بصیرا"

"اللہ یقیناً تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے مستحقین کے سپرد کیا کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل سے کرو۔ اللہ جس بات کی تمہیں نصیحت کرتا ہے وہ یقیناً بہت ہی اچھی ہے۔ اللہ یقیناً سنتا بھی ہے' دیکھتا بھی ہے۔"

برسوں بعد امیر المومنین عمر بن عبدالعزیزؒ نے منصب کے اسی تصور کو اپنی ذات اور عمل کے حوالے سے یہ کہتے ہوئے واضح کیا تھا اور وہ اپنے گھر ایک شب دیر تک مصلے پر بیٹھے اپنے اللہ کے حضور روتے رہے تھے۔

" علمت ان اللہ سائلی و ان محمدا احیتجی عنھم مخفت ان لا تیبت لی عنداللہ عذر و لا یقوم لی مع محمد صلی اللہ علیہ و سلم حجتہ مخفت علی نفسی۔" (کتاب: ابو یوسف)

"مجھے یہ احساس ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ مجھ سے میری ذمہ داریوں کے بارے میں سوال کرے گا اور رسول کریمؐ حجت قائم کریں گے تو مجھے خوف لاحق ہوا کہ اللہ کے ہاں میرا کوئی عذر قابل قبول نہ ہو گا اور حضورؐ کے سامنے میری کوئی حجت کام نہ آئے گی۔"

فلاحی ریاست والیوں' عمال اور اپنے منصب داروں میں احساس جواب دہی کے تصور کے ساتھ نمو کرتی ہے اور پنپتی ہے۔ اس ریاست کا سربراہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اپنے عوام' ہر ایک کے سامنے

Marfat.com

معاشرے میں فلاحی ریاست کے وجود کی روح کو زندہ رکھنے کا باعث بنتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوف ایک مال دار انسان تھے۔ ایک روز کھانا کھاتے ہوئے آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا آج مجھے مرفہ حالی میں احد کے شہدا اور ان میں سے بھی مصعب بن عمیرؓ یاد آ رہے ہیں کہ وہ شہید ہوئے تو ہم ان کی ناکافی چادر سے ان کا جسم تک نہیں ڈھانپ سکتے تھے یہ لوگ ویسے ہی چلے گئے اور ہمارے پھل اس دنیا میں پک گئے اور ہم ان سے لذت اٹھا رہے ہیں۔" (صحیح بخاری)

یہ رویہ اس ریاست کے شہریوں میں اس لئے مرتب ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ فرماتے ہیں:-

"تمہارے گھر میں پھل یا کوئی دوسری سوغات آئے تو ہمسایہ کے بچوں کے لئے ضرور بھجواؤ اور بکری کے گھر کے سالن بھی پکاؤ تو پانی زیادہ ڈال لو شاید آس پاس میں کسی کی ضرورت پوری ہو سکے اور اپنی قربانیوں کے گوشت کا ایک حصہ اگر احباب میں بھجواؤ تو دوسرا معاشرے کے مفلوک گھرانوں میں بھی تقسیم کرو اور باہمی سلام کہنے کی عادت کو اپناؤ کہ تمہارے درمیان محبت بڑھے اور باہمی تحائف بھجواؤ کہ آپس کے پیار کا سلسلہ دراز ہو۔

اسلامی فلاحی ریاست عوام کی تربیت اور تعلیم کی بھی ذمہ دار ہوتی ہے۔ عوام کو نوشت و خواند سکھانے اور مختلف علوم سے مرصع کرنے کے لئے اسلامی فلاحی ریاست کو قرآن نے جو لائحہ عمل دیا ہے۔ اس سے نبی اکرمؐ کی وحی کا آغاز ہوتا ہے۔ اور ہر انسان اس کا مخاطب ہے:

اقراء باسم ربک الذی خلق"

"اپنے پروردگار کے نام سے اپنی تعلیم کا آغاز کر جس نے تجھے تخلیق کیا ہے۔"

چند لکھے پڑھے صحابہؓ کو آپ نے وحی قرآنی' معاہدات' سرکاری خطوط اور احکامات تحریر کرنے کی ذمہ داری سونپی۔ اس اعزاز سے دوسروں میں بھی پڑھنے لکھنے کا رجحان پیدا ہوا۔ جنگ بدر کے نادار کی قیدیوں کو جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے

Marfat.com

جواب دہ ہے۔ اسی تصور کا گہرا شعور اسے جہاں ریاست اور اس کے عوام کا استحصال کرنے سے روکتا ہے وہاں ذاتی مقصد بر آریوں کے بھی اسے قریب نہیں جانے دیتا اور اسی تصور کے اثرات تھے کہ صدر ریاست عمرؓ نواح دارالخلافہ میں شدید گرمی کے موسم میں بیت المال کا کھویا ہوا اونٹ تلاش کرتے ہوئے دیکھے گئے یا ایک بیمار اونٹ کے جسم پر تارکول ملتے ہوئے پائے گئے۔ کبھی ایک حاملہ عورت کی طبی ضروریات کی فراہمی کے لئے اپنی اہلیہ کو ہمراہ لے کر رات گئے صحرائی خیمہ میں جاتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں اور کبھی ایک فاقہ زدہ خاندان کے لئے آٹے کی بوری کندھوں پر اٹھائے لئے جا رہے ہیں۔

یوں بھی ہوتا ہے کہ مسجد میں خطبہ دیتے ہوئے اپنے نئے لباس پر ایک عام شہری کی طرف سے گرفت کئے جانے پر جواب دہی میں عار محسوس نہیں کرتے۔ یہ سارے خوب صورت رویے صرف اس لئے جنم لیتے ہیں کہ اسلامی فلاحی ریاست کا امیر سمجھتا ہے کہ وہ اپنے اللہ اور اس کی مخلوق کے سامنے جن کا وہ امیر بنایا گیا جواب دہ ہے۔ جواب دہی کا یہی شدید احساس ان سے کہلواتا ہے کہ:

اللھم لالی ولا علی

"میرے اللہ میں آپ سے اپنے کسی اچھے عمل کا صلہ نہیں چاہتا مگر تو مجھ پر گرفت بھی نہ کرنا۔"

اسلامی فلاحی ریاست کا امیر اپنے منصب کو اپنے خاندان کے وقف کر دینے کا ارادہ کبھی نہیں کرتا۔ آخری لمحوں میں جب عمرؓ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا اور وہ اپنے جانشین کے بارے میں سوچ رہے تھے تو کسی نے مشورتاً عرض کیا کہ کچھ حرج نہ ہو گا اگر آپ اپنے بیٹے عبداللہ کو خلیفہ نامزد کر دیں۔ آپ نے واضح الفاظ میں فرمایا' نہیں میں اپنی اولاد یا خاندان میں سے کسی کے لئے خلافت کا خواہشمند نہیں اگر یہ کوئی خیر ہے تو ہمیں مل چکی اور اگر شر ہے تو ہمیں مزید اس کی خواہش نہیں۔ یہی کافی ہے کہ میرے خاندان سے امت کے بارے میں صرف مجھ ہی سے اللہ تعالیٰ احتساب کر لیں۔

اپنے اوپر دوسروں کی ضرورتوں کو ترجیح دینے کا احساس بھی اسلامی

Marfat.com

ان کی رہائی کا فدیہ آپ نے عوامی تعلیمی فلاح کے پیش نظر اور ریاست میں خواندگی کی شرح میں اضافہ کرنے کے لئے یہ مقرر کیا کہ وہ مدینہ کے دس دس بچوں کو تعلیم دیں۔ اس واقعہ کو ابن سعد مسند میں احمد بن جنبل اور سہیلی سب نے نقل کیا ہے۔ مسجد نبوی سے ملحق صفہ میں بیرون سے آنے والے مسلمان زیر تعلیم رہتے تھے۔ جنہیں تکمیل تعلیم کے بعد واپس ان کے علاقہ میں اس غرض سے بھجوا دیا جاتا تھا کہ وہ دوسروں کو تعلیم دیں۔ انہیں مہاجرین تعلیم دیتے تھے۔ ان طلبہ کی کفالت معاشرہ کرتا تھا۔ خود نبی اکرمؐ ان کی ضروریات پوری کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔

ریاست اس وقت ہی فلاح پاتی ہے۔ جب روندے ہوئے انسان، مستحقین اور گھریلو نوکر چاکر افراد کے حقوق کا بھی برابری کی سطح پر لحاظ رکھا جائے۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

من اماتکم من مبلولکم فاطعموہ مما تاکلون واکسوہ مما تلبسون

(ابوداؤد کتاب الادب فی حق المملوک)

"نوکر چاکر ماتحت لوگ جو تمہارے مزاج کے مطابق ہوں جو خود کھاؤ انہیں بھی کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی انہیں بھی پہناؤ۔"

اسلامی فلاحی ریاست عورت کے حق کا بھی خیال رکھتی ہے۔ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"فاتقوا اللہ فی النساء"

"عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو"

(البیان والتبین ج1 ص 34)

"انما النساء شقائق الرجال"

"عورتیں مردوں کی نظیر ہیں"

(مسند احمد و دارمی کتاب الطہارۃ)

اسلامی ریاست میں عوام کا باہمی فلاحی رویہ صرف زندگی میں ہی موقوف نہیں بلکہ اس کا سلسلہ وفات کے بعد بھی دراز رہتا ہے۔ بعض امور کے لئے ورثاء

Marfat.com

کو پابند کیا گیا ہے۔

نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"من مات وعلیہ دین ولم تیرک وفاء فعلی قضائہ ومن ترک مالا فاورثتہ" (ابوداؤد)

"جو شخص فوت ہو جائے اور اسکے ذمہ قرض ہو اور وہ اتنا مال نہ چھوڑے کہ اسے ادا کیا جائے تو اس قرض کی ادائیگی میرے ذمہ (ریاست کے) ہے اور وہ مال چھوڑے تو یہ حق اس کے ورثاء کا ہے۔"

"من ترک مالا واورثتہ ومن ترک کلا فالینا"

(بخاری و مسلم)

"جو مال چھوڑ گیا تو وہ اس کے وارثوں کا حق ہوا اور جو ذمہ داریاں چھوڑیں تو اس کے ذمہ دار ہم (ریاست) ٹھہرے۔"

فلاح اور بہبود عوام کا یہی تصور تھا جو حضرت عمرؓ کے ذہن میں اس وقت اس طرح جاگا کہ انہیں تڑپا گیا جب انہوں نے مدینہ کے کسی کوچے میں کسی کے دروازے کے سامنے ایک بوڑھے اندھے شخص کو صدا لگاتے سنا اور دیکھا اور پھر پوچھا کہ یہ کوئی شخص ہے جو گداگری کر رہا ہے۔ جبکہ ہم نے عوام کی کفالت کی ذمہ داریاں نہ صرف اٹھا رکھی ہیں بلکہ انہیں حتی المقدور پورا کرتے ہیں۔ بتایا گیا کہ یہ یہودی بوڑھا ہے جس کی کفالت کرنے والا اب شہر میں کوئی نہیں رہا۔ بے ساختہ کہا:

"اللہ کی قسم! ہم نے اس سے انصاف نہیں کیا کہ جوانی میں اس سے فائدہ اٹھایا (جزیہ لیا) اور بڑھاپے میں اسے اس کے حال پر تنہا چھوڑ دیا۔"

(کتاب الخراج۔ امام ابو یوسف، صفحہ 72)

پھر بیت المال سے ایسے ہر غیر مسلم کا وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔

چنانچہ امام ابن قیم نے قرآن و سنت کی روشنی میں یہ اصول پیش کیا:

Marfat.com

"حکومت جیسے اس شخص کی وارث ہوتی ہے جو لاوارث ہو۔
اسی طرح اس کا قرض ادا کرنے کی بھی ذمہ دار ہے۔ جبکہ وہ قرض کی ادائیگی کے لئے کوئی مال چھوڑے بغیر مرجائے۔
■ اس کی زندگی میں بھی اس کی کفالت کی ذمہ دار ہوگی جبکہ کوئی دوسرا اس کا کفیل نہ ہو۔"

(زاد المعاوج 1 صفحہ 57)

اور ابن حزم نے یہ رائے قائم کی:

"ہر بستی کے مال داروں کا فرض ہے کہ وہ فقرا اور مساکین کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر فے (بیت المال کی آمدنی) سے ان کی معاشی کفالت پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان (حکومت) ان مالداروں کو اس کفالت کے لئے مجبور کرسکتا ہے اور ان کی زندگی کے اسباب کے لئے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجات کے مطابق خوراک مہیا ہو۔ پینے کے لئے پانی اور پہننے کے لئے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لئے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش گرمی دھوپ اور سیلاب جیسے حوادث سے محفوظ رکھے۔" (محلی صفحہ)

حضرت علیؓ کا قول ہے:

"اللہ تعالٰی نے اہل دولت کے مال پر ان کے غریب بھائیوں کی معاشی حاجت کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض کر دیا ہے اگر وہ بھوکے ننگے یا معاشی مصائب میں مبتلا ہیں تو محض اس بناء پر کہ اہل ثروت اپنا فرض ادا نہیں کرتے تو اللہ ان سے مواخذہ کرے گا۔" (صفحہ 157)

اسلامی فلاحی ریاست کا امیر اپنی بے جا اور غیر ضروری اور مبالغہ آمیز تعریف کئے جانے کا رویہ پسند نہیں کرتا کہ اس سے انسان کے اندر ذاتی تفاخر کا احساس اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ بعض صورتوں میں وہ اپنے آپ کو الوہی طاقتوں کا حامل خیال کرنے لگتا ہے اور انسانوں کو اپنے غلام اور اپنی مخلوق گردانتا ہے۔ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے بارے میں لوگوں کو مبالغہ آرائی کرنے سے یہ

Marfat.com

کہتے ہوئے ہمیشہ کے لئے روک دیا کہ:

"لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسیٰ ابن مریم انما انا عبداللہ فقو لوا عبداللہ ورسولہ"

"میری تعریف میں کبھی مبالغہ آرائی سے کام نہ لو جیسے عیسائیوں نے عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں کہا۔ بے شک میں تو فقط اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔"

اس بے مثال سربراہ مملکت نے خویش پروری کی بھی جڑ کاٹ دی۔ زکوٰۃ اور صدقات کی رقوم کی تقسیم کو اپنے خاندان کے لئے ختم کرایا۔ پیاری بیٹی فاطمہؓ نے خود پیش ہو کر اپنے ہاتھوں پر لگے نشان دکھائے جو گھریلو کام کاج سے پیدا ہو گئے تھے اور پھر بیت المال سے ایک کنیز یا غلام کی درخواست کی جو گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹا سکے۔ فرمایا:

"میری بچی میں تمہیں اس سے بہتر ایک طریق بتا دیتا ہوں' اللہ خود تیری مشکلات کو حل کر دے گا۔ تم سوتے وقت "سبحان اللہ"" "الحمدللہ" اور "اللہ اکبر" کی تسبیح کیا کرو۔"

تقاضے کا رخ کس خوبصورتی سے بدل دیا گیا اور اپنے وسائل کے اندر زندگی بسر کرنے کے رجحان کو فروغ دیا۔ اسلامی فلاحی ریاست میں جہاں ایک طرف استحصال کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی اور کنبہ پروری کا تصور ختم ہوتا ہے وہاں اس ریاست کی اصل روح فروغ پاتی ہے۔

عہد نبوی میں ایک صاحب بیرون مدینہ عامل بنا کر بھجوائے گئے۔ واپس لوٹے تو ان کے پاس سرکاری خزانے کے علاوہ بہت سارا مال بھی دیکھنے میں آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"یہ کہاں سے حاصل ہوا؟" انہوں نے کہا' یہ لوگوں کی طرف سے مجھے تحائف ملے ہیں' فرمایا:

فھل لا جلست فی بیت ابیک و بیت امک حتی تاتیک ھدیتک ان کنت صا دقا (صحیح بخاری)

"تم اگر اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھے رہتے تو پھر دیکھتے کہ تمہیں یہ تحائف کیسے حاصل ہوتے؟"

پھر فرمایا:

"تم میں سے جو اپنی قوم پر والی بنایا گیا اور اس نے عوام سے تحائف وصول کئے .. ان کے لئے قیامت کے دن اللہ کے سامنے جواب دہ ہو گا۔ پھر اپنے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: لوگو! میں نے تم کو اپنی بات پہنچا دی۔ اب تم خود اس کے لئے پابند رہنے کے ذمہ دار ہو۔"

حضرت عمرؓ کے واضح فلاحی رویے ان کے احکامات میں محفوظ ہیں جو ان کی وسیع ریاست کے والیوں کو وقتاً" فوقتاً" جاری ہوتے رہے:

"اللہ کی قسم بیت المال میں ہر شخص کا حصہ ہے۔"

(عمر بن خطاب - از علامہ طنطاوی)

"اگر میں زندہ رہا تو جبل صنعاء کے چرواہوں کو بھی ان کے حق پہنچائے جائیں گے قبل اس کے کہ وہ خود اپنا حق طلب کرنے آ جائیں۔"

(کتاب الخراج)

"اگر میں اگلے برس تک زندہ رہا تو بعد میں آنے والوں کو اگلے لوگوں سے ملاؤں گا یہاں تک کہ وظائف میں سب مساوی ہو جائیں۔

(کتاب الخراج)

"یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ جن سے ان کی جوانی میں جزیہ وصول کر کے کھائیں جب ان پر بڑھاپا آئے تو انہیں بے سہارا چھوڑ دیں۔"

(کتاب الخراج)

"میرے جس عامل نے کسی شخص پر ظلم کیا اور اس کی اطلاع مجھ تک پہنچی پھر اگر میں نے اس کی اصلاح نہ کی تو اس ظلم کا مرتکب میں خود قرار پاؤں گا۔

(مجلہ الہلال عدد خاص فاروق نمبر 1937)

"فاسق و فاجر لوگوں کو بے قابو نہ چھوڑ دینا۔ ان کے جتھے نہ بننے دینا ان

Marfat.com

پر گرفت کرتے رہنا۔"

(ابو موسیٰ اشعری کے نام خط)

"میں نے تمہیں عامل بنا کر بھیجا تھا' تاجر نہیں۔ تجارت اور گورنری جمع نہیں ہو سکتیں۔"

(عتبہ بن ابو سفیان کے نام خط)

"جب حاکم غلط رویہ اختیار کرتا ہے تو عوام بھی غلط راستوں پر رواں ہو جاتے ہیں۔"

سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور خلفاء راشدین کے ان واضح انتظامی رویوں کے اثرات آگے چلتا تھے اور چلے۔ عمرو بن العاصؓ عہد عمرؓ میں مصر کے گورنر تھے۔ ایک ملاقات میں سربراہ مملکت نے گورنر سے کہا دیکھو! خیال رکھنا۔ اگر کسی عامل نے کسی شخص پر ظلم کیا تو میں اس سے قصاص لوں گا۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا اگر آپؓ نے یوں عمال سے قصاص لینا شروع کر دیا تو اس سے منصب کا وقار ختم ہو کر رہ جائے گا۔ فرمایا: میں ایسے عہدیداروں سے کیوں قصاص نہ لوں جب کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے نفس کا قصاص خود دیتے تھے۔ عمرو بن العاص کے بیٹے کی شکایت ایک مصری مسلمان نے حج کے موقع پر کھلی کچہری میں سربراہ ریاست عمرؓ کے سامنے کی۔ جب کہ گورنر اس اجلاس میں خود موجود تھے۔ مصری نے کہا کہ گورنر کے بیٹے نے مجھے صرف اس لئے سرعام پیٹا کہ میں ایک مقابلے میں اس سے آگے نکل گیا۔ وہ مجھے مارتے ہوئے کہتا تھا:

"انا ابن الاکرمین"

"جانتے ہو ہم بڑے لوگوں کی اولاد ہیں۔"

مظلوم نے انسؓ کو بطور گواہ پیش کیا۔ جب ظلم ثابت ہو گیا تو امیر المومنین نے مصری کو حکم دیا کہ وہ ان کے درے سے گورنر کے بیٹے کو سب کے سامنے پیٹے۔ آپ کے الفاظ تھے:

"واضرب بها ابن الاکرمین۔"

"اس درے سے اس بڑوں کی اولاد کو پیٹو۔"

Marfat.com

گورنر نفاذ سزا کے اس لمحے پاس کھڑے تھے۔ جب مصری نوجوان گورنر کے بیٹے کو سزا دے چکا تو اس سے مخاطب ہو کر عمرؓ نے فرمایا: اب یہی کوڑا عمرو بن العاصؓ کی گنجی کھوپڑی پر مارو جس کے بیٹے نے صرف اس کے حاکم ہونے کی رعایت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تمہیں پیٹا تھا۔ مصری نوجوان نے کہا حضور! مجھے میرا حق مل گیا فرمایا: جاؤ اور پھر کبھی ایسا ہو یا ایسا ہوتے دیکھو تو مجھے مطلع کرنا پھر گورنر سے کہا:

یاعمرو متی استعبدتم الناس وقد ولا تھم امھاتھم احرارا

(بین یدی عمر: خالد اور خالد)

"عمرو تم نے لوگوں کو کب سے غلام سمجھنا شروع کر دیا ہے۔ حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا ہے۔"

یہ ساری شہادتیں اس امر کا ثبوت ہیں کہ اسلامی فلاحی ریاست میں سیرت النبیؐ کے زیر اثر کوئی بھی منصب دار خواہ وہ کسی بھی سطح کا ہو اپنی سرکاری حیثیت سے ناجائز انتفاع نہیں کر سکتا۔ استحصال ہو یا استغلال ہر بات قابل مواخذہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یوم آخرت اور پھر اللہ کے ہاں جواب دہی کا تصور ہی منصبداری ہی استحصال سے کنارہ کش رہنا سکھانے کا باعث بن سکتا ہے۔ یعنی یہ کہ ہر زیادتی ہر ظلم اور ہر ناحق بات کو قیامت کے دن منصب دار کی گردن کا طوق بننا ہوگا اور راعی ہو یا رعایا' حاکم ہو یا محکوم' بڑا ہو یا چھوٹا' ہر فرد کو اپنے اعمال کے لئے اللہ کے حضور جواب دہ ہونا پڑے گا۔ اللہ اسلامی فلاحی ریاست کے ہر فرد کو اپنی ہر حیثیت میں دی گئی کسی بھی امانت میں تصرف بے جا کرتے ہوئے دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ طاقت' علم' صحت اور اثرورسوخ یا منصب' کچھ بھی ہو' اس ریاست کی فلاح اسی میں مضمر ہے کہ اس کا ہر فرد ان بہت ساری باتوں کے لئے اپنے خالق کے سامنے جواب دہ ہے کیونکہ اللہ کا ارشاد' اس ریاست کے ہر فرد کے لئے یکساں ہے:

تئودوا الامانت الی اھلھا

اسلامی فلاحی ریاست کے قیام کے تقاضوں میں ایک ضروری امر یہ بھی ہے

کہ دولت فرد کے پاس کہاں سے ائے اور کہاں خرچ کی جائے تا کہ معاشرتی توازن بگڑنے نہ پائے اور امیر اور غریب کے دو واضح گروہ یا مستکبرین اور مستضعفین کی جماعتیں مستقلا نہ بن سکیں۔ اصولی طور پر اس ریاست میں قرآن اور نبی اکرمؐ کی تعلیمات کے مطابق فرد آزاد ہے کہ وہ جو چاہے کمائے اور جس چیز کو چاہے اسے اپنے تصرف میں لائے لیکن اس سلسلے میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد بہت واضح ہے کہ کمانے والوں سے دو سوال قیامت کے روز ضرور پوچھے جائیں گے:

"من این اکتسبتم و فیما انفقتم

"تم نے کمایا کیسے اور پھر اسے خرچ کیسے کیا؟

قرآن اس ریاست کے افراد کے لئے ایک حکم یوں دیتا ہے کہ:

کلوا واشربوا ولا تسرفوا

"کھاؤ پیو (اپنی دولت استعمال میں لاؤ) مگر فضول خرچ بن کر نہیں۔"

(اعراف)

گویا اسلامی فلاحی ریاست، فضول خرچی پر بچانے کو ترجیح دیتی ہے جس پر معاشی ترقی اور منصوبہ بندی کی بنیاد ہے۔ اسلامی فلاحی ریاست اپنے معیشی توازن کو برقرار رکھنے کے لئے کسی فرد کے کمانے اور خرچ کرنے کے عمل میں اس وقت دخل دینا پسند کرتی ہے۔ جب دولت سود، رشوت، ذخیرہ اندوزی یا تجارتی لوٹ کھسوٹ اور چوری کے حربوں سے حاصل کی جا رہی ہو۔ یہ ریاست یہ بھی نہیں چاہتی کہ دولت صرف چند سرمایہ دار ساہو کار خاندانوں کی قسمتوں کا حصہ بنتی رہے۔ قرآن نے اس سلسلہ میں ایک واضح اصول طے کر دیا کہ:

" کی لا یکون دولتہ بین الاغنیاء (الحشر)

"ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ دولت صرف چند سرمایہ داروں کے مابین ہی چکر لگاتی رہے۔"

حضرت علیؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"اذا فعلت امتی خمس عشرۃ خصلۃ حل بھا البلاء قیل وما ھی یارسو ل اللہ قال اذا کان المغنم دولۃ والامانۃ مغنما والزکوٰۃ مغرما"

(ترمذی باب الفتن)

"اگر میری امت نے 15 خصلتیں اختیار کر لیں تو وہ دکھوں میں مبتلا ہو جائے گی۔ پوچھا گیا' وہ کون سی ہیں؟ فرمایا: جب مال غنیمت ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں گردش کرتا رہے گا (یعنی صرف چند افراد کی اس پر اجارہ داری قائم ہو جائے گی) اور امانت کو مال غنیمت اور زکوٰۃ کو چٹی سمجھا جائے گا۔"

"پیدائش دولت کے لئے اسلامی فلاحی ریاست کو انہی امور سے بچاؤ کے سامان کرنا ہوتے ہیں۔ تقسیم میراث کی روح بھی دولت کو پھیلانے میں ایک جگہ ذخیرہ کرنے میں نہیں ہے۔ اس ریاست میں دولت کمانے کے لئے تمام ناجائز ذرائع کی نفی ہے۔ اس لئے رشوت' سود اور جوئے کی آمدنی کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ معیشت میں اصول یہ دیا گیا ہے کہ:

احل اللہ البیع وحرم الربوا

تجارت جائز ہے مگر سود حرام ہے۔ (البقرہ)

نبی اکرمؐ نے فلاحی معیشت اور معاشرت کے لئے ہاتھ کی محنت کو لائق تحسین قرار دیا ہے۔ محنت سے معیشت ملکی کو فروغ ملتا ہے فرمایا:

افضل الکسب بیع مبرور و عمل رجل بیدہ (مسند احمد و طبرانی)

"بہترین کاروبار عمدہ تجارت اور ہاتھ کی محنت ہے"

ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل عمل یدہ (مشکوٰۃ کتاب البیوع)

"ہاتھ کی محنت سے کما کر کھائے گئے کھانے سے کوئی دوسرا کھانا بہتر نہیں ہے:

ذخیرہ اندوزی کے بارے میں جو قومی فلاح کی دشمن ہے' فرمایا:

من احتکر فھو خاطی

جس نے ذخیرہ اندوزی کی وہ گنہگار ٹھہرا (مشکوٰۃ۔ کتاب البیوع)

مگر تجارت میں دھوکا دہی کی اجازت نہیں ہے۔ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) خود وقتاً فوقتاً منڈی اور بازار کا چکر لگا کر چیزوں کے بھاؤ' تول کے پیمانے اور خاصیت (QUALITY) کی جانچ پرکھ کیا کرتے تھے بعض اوقات گندم کے ڈھیر میں اندر ہاتھ دیا اور اسے گیلا پایا تو تاجر کو اس دھوکے کی تجارت سے منع کر دیا آپ نے فرمایا:

"ثلاثۃ لا یکلمھم اللہ یوم القیامۃ- رجل بایع رجل" سلعتہ بعد العصر فحلف باللہ لاخذھا بکذا او بکذا خصدتہ و ھو علی ذالک"

(ابن ماجہ باب الجات)

اللہ قیامت کے دن تین آدمیوں سے کلام نہیں کرے گا ایک وہ آدمی جو دن کے آخری حصہ میں اپنے مال کو بیچنے کے لئے اللہ کی قسم کھا کر جھوٹ بولتا ہے کہ میں نے تو خود اسے اتنے میں خریدا ہے۔"

دولت کی تقسیم کرتے ہوئے اسلامی فلاحی ریاست ہر حالت میں ہر صاحب حیثیت پر اڑھائی فیصد زکوۃ عائد کر کے اسے مستحقین میں تقسیم کرتی ہے اور صدقات اور خیرات جو قرآن کے الفاظ میں "حق للسائل (الذریت) و المحروم" ہیں جن سے معاشرتی توازن الٹ پلٹ نہیں ہونے پاتا۔

قرآن نے انسانی فلاح کے پیش نظر ریاست کے مرفہ الحال اور دولت مند متقیوں کی طرف سے نبی اکرمؐ کے حضور اٹھائے جانے والے سوال کا قطعی جواب پیش کر دیا۔

"یسئلونک ماذا ینفقون: قل العفو" (البقرہ)

"لوگ (امیر ریاست اسلامی) سے سوال کرتے ہیں کہ وہ معاشرے کے نادار اور حاجت مند افراد پر اپنی دولت میں سے کہاں تک خرچ کریں آپ ان سے کہہ دیں جو کچھ زائد بچ رہے سب کا سب۔"

اسلامی ریاست کے تنگ دست شہریوں کو گھریلو مسائل اور تجارتی مسائل طے کرنے کے لئے اور اپنی معاشی حالت اور حیثیت بحال کرنے کی ضرورت پیش آئے تو بعض مفسرین کے نزدیک قرآن نے جو "والغارمین" کی اصطلاح تجویز کی

ہے ▪ یہی لوگ مراد ہیں کہ انہیں بیت المال سے قرض حسنہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایسا کیا گیا(حمید اللہ ص)

قرآن میں جہاں "ومن ذاالذی یقرض اللہ قرضاحسنا" کہا گیا ہے۔ جسے معیشت کی طرف بھی یوں مراد لیا جا سکتا ہے کہ مرفہ الحال لوگ خدا کی دی ہوئی دولت سے اس کی ضرورت مند مخلوق کو قرض حسنہ دے کہ گویا اس کی نادار مخلوق کے کام آ رہے ہیں اور یہ قرض بھی اعمال کے حوالے سے وہ قرض حسنہ ہے جو اللہ کو دیا گیا۔ یہی کام حکومت بھی کر سکتی ہے۔

مجبور انسانوں کی ضرورتوں کی فراہمی کا نظام اسلامی فلاحی ریاست نے اپنے آغاز ہی میں قائم کرنا شروع کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ آتے آتے مردم شماری' ناداروں کی رجسٹریشن' وظائف کی ادائیگی" زکوۃ سے پیداواری عمل کو وسعت ملتی ہے اور عوام کی قوت خرید میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ معیشت میں توازن قائم ہونے لگتا ہے۔ انفاق' صدقات اور قانون وراثت کا نفاذ اس پر اضافہ ہے۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

ان اللہ یزع بالسلطان مالا یزع بالقران (تفسیر ابن کثیر)

"اللہ حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا (مثلاً غربت) سدباب کر دیتا ہے۔ جس کا سدباب قرآن نہیں کر پاتا۔"

زکوۃ کے بارے میں حضورؐ نے فیصلہ دے دیا:-

"تو خذ من اغنیا ھم فترد علی فقراء ھم"

"(دولت) ان کے مالداروں سے وصول کر کے ان کے محتاجوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔" (مسلم بخاری)

اور تقسیم کو خیرات کہہ کر ریاست کے ناداروں کی عزت نفس کو مجروح نہیں کیا گیا بلکہ قرآن نے "حق للسائل والمحروم" (الذریت) سوالی اور نادار کا اپنے مالداروں کی دولت میں سے گویا حق ہے۔

قرآن نے یہ بھی کہا:

خذ من اموالھم صدقہ (التوبہ)

"آپ ان کی دولت میں سے ناداروں کی کفالت کے لئے صدقہ وصول کریں۔"

عبداللہ بن عمرؓ اسی لئے بوقت ضرورت ٹیکس وصول کر کے اسے مستحقین میں تقسیم کرنے کی اجازت کے قائل ہیں۔

"وفی المال سوی الذکوۃ"

"مالداروں کے مال میں زکوۃ کے علاوہ دوسرے حق بھی ہیں۔"

اسلام کے صدر اول میں اسلامی فلاحی ریاست کے تصور کی اس عملی شکل کی روشنی میں فقہاء کرام نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اسلامی ریاست کے سربراہ کا یہ فرض ہے کہ "لوگوں کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کا انتظام کرے" تاکہ کوئی فرد بھی محروم المعیشت نہ رہے۔ اس سلسلے میں اسلامی ریاست کو وسیع اختیار حاصل ہیں اور بوقت ضرورت فلاحی نظام کے ہدف کے حصول کے لئے ریاستی طاقت بھی استعمال کی جا سکتی ہے' تاکہ مالی لحاظ سے مستحکم اصحاب کے وسائل میں سے ضرورت مندوں کو ان کا حصہ دلایا جائے۔

شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ اسلامی فلاح ریاست کو ایک اور تجویز بھی دیتے ہیں:-

"اور بعض جگہ زکوۃ کے مصرف سے شہریوں کی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی۔ تب اس میں وسعت پیدا کرنا ضروری ہو جاتا ہے تاکہ شہریوں کی ضرورتوں کو کماحقہ' پورا کیا جا سکے۔" (حجتہ اللہ البالغہ جلد ص)

قرآن اسلامی فلاحی ریاست کو ایک جنت کا نام دیتا ہے جس کی تشکیل کے بنیادی تقاضوں میں خوراک' لباس اور چھت کی فراہمی ہے اور یہ گویا بنیادی ضروریات زندگی کی ذمہ داری اٹھانا ہے:-

"وقالوا الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض نتبوا من الجنتہ حیث نشاء فنعم اجر العلمین

(الزمر-)

"لائق ثناء وہی ذات ہے جس نے ہمارے ساتھ کئے گئے وعدوں کو پورا

کر دکھایا اور ہمیں زمین کی حکومت عطاء کی جو وہ جنت ہے جس میں ہر طرف ہمارا اختیار کار فرما ہے اور کچھ کر کے دکھانے کے لئے کیا اچھے نتائج ہیں۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مطالعے سے اس بات کے کئی شواہد سامنے آئے ہیں کہ آپ وسائل معاش کی عادلانہ تقسیم چاہتے تھے اور ایسی سوسائٹی آپؐ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ تھی جس میں افراد کے درمیان معاشی تفاوت ہو۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک بار آپؐ نے قبیلہ مضر کے کچھ لوگوں کو دیکھا۔ جن کے چہروں سے شدید فاقہ کے آثار ہویدا تھے۔ چنانچہ آپؐ کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا فتعمر وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس حالت میں آپؐ نے اٹھ کر مجمع کے سامنے سورۃ النساء اور سورہ الحشر کی وہ آیتیں تلاوت کیں جن میں سب انسانوں کو ایک ہی آدم کی اولاد قرار دیا گیا ہے اور جن میں آخرت کے لئے توشہ بھیجنے کی یاد دہانی کرائی گئی ہے۔ یہ حدیث اس امر کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ معاشی طور پر کمزور افراد کی کفالت اجتماعی فریضہ ہے اور اس سے غفلت برتنا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ایک شدید قابل مذمت فعل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے بعض فرمودات، جن سے آجر اور مستاجر کے درمیان تعلقات کی نوعیت کے بارے میں آپؐ کا تصور سامنے آتا ہے، سے بھی ایک فلاحی معاشرے کا خاکہ ذہن میں ابھرتا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ

"مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔"

(باب الاجارہ)

یہ فلاحی ریاست یا اپنے عوام کے لئے جنت ارضی متقاضی ہے اور اس میں بقول قرآن:

ان لک الا تجوع فیھا ولا تعری - وانک لا تظموا فیھا ولا تضحی (طہ

Marfat.com

"اس میں تجھے بھوک' پیاس' لباس اور دھوپ کی فکر نہ رہے۔"

اسلامی فلاحی ریاست اعمال صالحہ کے نتیجے میں حاصل ہونے والی موعودہ جنت کا آغاز اسی دنیا سے کرتی ہے اور اگر یہ دینوی ریاست الجنتہ کی شکل میں قائم نہیں ہو پاتی تو جنت موعودہ کا تصور بے معنی ٹھہرتا ہے۔

یہی وہ اسلامی فلاحی ریاست ہے اور اس کے روشن خدوخال ہیں جو سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روشنی میں تشکیل پاتی ہے اور جس نے اپنا اظہار رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے قرآن و سنت کے عطا کردہ اصولوں کے حصار میں کیا اور جسے خلفائے راشدین نے مزید نکھارا اور یہی وہ آفاقی اصول ہیں جو آج ایک اسلامی فلاحی ریاست کی تشکیل میں معاونت کرتے ہیں اور دنیا ہمیشہ کے لئے اس باب میں سیرت النبیؐ کی روشنی کی محتاج رہے گی۔

نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت کے نقوش ہی کی روشنی میں اسلامی فلاحی ریاست کے تصور کو عملاً آگے لے جانے اور واضح کرنے والوں میں سے پہلے خلیفہ راشد ابوبکرؓ نے خلافت کا بارگراں اٹھانے کے بعد قوم سے اپنے پہلے خطاب میں کہا تھا:

"یا ایھا الناس فانی قد ولیت علیکم و لست بخیر کم فان احسنت فاعینو نی و ان اساءت فقو مونی الصدق امانتہ و الکذب خیانتہ و الضعیف فیکم قوی عندی حتی اذیح علیہ حقہ انشاء اللہ و القوی فیکم ضعیف عندی حتی اخذ الحق منہ ان شاء اللہ۔"

(طبقات ابن سعد جلد سوم)

"صاحبو! میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں ورنہ میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھا کام کروں تو میرے ساتھ تعاون کرو اور اگر برا کام کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔ سچائی امانت اور جھوٹ خیانت ہے۔ تم میں سے کمزور ترین شخص ہی میرے نزدیک طاقت ور ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کا حق واپس دلاؤں۔ انشاء اللہ اور تمہارا طاقت ور ترین شخص بھی میرے نزدیک ایک کمزور ترین ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کے حق

Marfat.com

ولاؤں انشاء اللہ۔"

یہی حلف حضرت عمرؓ نے قوم کے سامنے اپنی پہلی تقریر میں اٹھایا تھا۔

"صاحبو! میں تم میں سے ایک ہوں۔ اللہ کی قسم! میں تمہارے ہر ہر مسئلے کو حل کروں گا اور دیانت و امانت کو کسی صورت میں ہاتھ سے نہ جانے دوں گا۔ کمزور ترین شخص میرے نزدیک اس وقت تک طاقتور ہو گا جب تک میں اسے اس کا حق نہ دلاؤں اور ہر طاقت ور اس وقت تک کمزور ہے جب تک میں اس سے حق وصول نہ کر لوں۔"

(طبقات ابن سعد - جلد ا

اسی اولین خطاب کے یہ الفاظ بھی بعض کتابوں میں نقل ہوئے ہیں:

"صاحبو! مجھ پر تمہارے چند حقوق ہیں جو میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں' اپنے حقوق مجھ سے حاصل کرو۔ مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہارے خراج مال غنیمت جو اللہ تمہیں عطا کرتا ہے۔ اس سے ناحق کچھ نہ لوں اور یہ کہ میں تمہارے عطیات اور وظائف میں اضافہ اور تمہاری سرحدوں کو مستحکم کروں اور تمہیں ہلاکت میں نہ ڈالوں اور تمہیں گھر واپس آنے سے نہ روکوں اور جب تم جنگ پر جاؤ تو ایک باپ کی طرح تمہارے اہل و عیال کی نگہبانی کروں۔"

(ضیائے حرم فاروق اعظم نمبر ص)

اور عمر بن عبدالعزیزؒ نے اچانک خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے پر مجمع عام میں کہا تھا

"میری گردن پر امت کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔ ننگے' بھوکے بیمار' مظلوم' مسافر' قیدی' بچے' بوڑھے' کم حیثیت' عیال دار غرض دنیا بھر کا بوجھ میرے سر پر آن گرا ہے۔ اب ڈرتا ہوں کہ کہیں قیامت میں مجھ سے پرسش نہ ہو اور مجھ سے جواب نہ بن آئے۔

(تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی - کتاب الخراج)

اور بھی واضح اور خوبصورت رویئے ہی اسلامی فلاحی ریاست کی اصل روح ہیں۔ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسی ریاست کے امیر کے لئے بطور

Marfat.com

ایک لائحہ عمل کے یہ الفاظ کہے تھے۔

"من یکون امیرا فانہ من اطول الناس حساب واغلظہ عذابا"

"حکمران کو سب سے بھاری حساب دینا ہو گا اور شدید ترین سزا کے خطرے کا سامنا بھی اسی کو ہو گا۔"س

(کنزالاعمال جلد)

امیر ریاست اسلامی کے لئے قرآن کا یہ حکم عوام کی فلاح و بہبود کے پیش نظر ہے کہ:

"امرھم شوریٰ بینھم (شوریٰ)

"ان کے باہمی معاملات میں ان کے ساتھ مشورہ کریں۔

گویا مشاورت باہمی نمائندگی سے ہو یا کسی دوسرے طریق سے' اسلامی ریاست کی بنیاد ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظری اور عملی تعلیمات کی روشنی میں ریاست کے فلاحی تصور کا جو خاکہ ترتیب پایا' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے مختصر دور خلافت میں اسلامی ریاست کے خلاف مخالفین کی شدید یلغار کے باوجود اس تسلسل کو برقرار رکھا' جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے 10 سالہ عہد خلافت میں اس تصور کو ایک مکمل نظام کی شکل دینے میں کامیاب ہو گئے۔ خلافت راشدہ کے بقیہ دور میں انہی اصولوں کے مطابق مملکت کے امور چلتے رہے۔

○

منہاج ششم

نظام عدل و قضاء

اسلام کی آمد سے قبل جزیرہ نمائے عرب میں یمن مکہ' طائف اور یثرب کی آبادیاں مدنیت کی نمائندہ تھیں اور ان شہروں کے لوگ یا تو تاجر پیشہ تھے یا زراعت پیشہ' عرب کی باقی آبادی محض خانہ بدوش تھی اور اس بدوی طرز زیست میں ان بے مکان قبائل میں بعض اوصاف بھی پیدا کر دیئے تھے مثلاً ہر قیمت پر اپنی آزادی کی حفاظت کرنا' ظلم و استحصال کے رویوں سے حد درجہ نفرت کا اظہار کرنا اور ایک طرح کی بدوی جمہوریت کا کاربند رہنے کی کوشش کرنا اگرچہ ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ عصبیت سے بے پناہ وابستگی بھی ان کے ہاں موجود تھی' جس سے وہ ایک طرح کی تنگ نظری کا شکار بھی تھے۔ انہیں کے درمیان شیخ قبیلہ کا وجود بھی تھا جو دوسروں کے لئے متعصب بدوی مگر داخلی زندگی میں جمہوری روایات کا ہر حال میں احترام کا پابند۔ ان جاہلی عربوں کے ہاں خواہ وہ حضروی تھے یا بدوی' اپنا ایک عدالتی نظام مروج تھا۔ جس کا پتہ جاہلی شاعری' قرآن مجید اور آج کے بدوی نظام معاشرت کے مطالعے سے بہت کچھ مل جاتا ہے۔

عہد جاہلیت کی شاعری اور خطبات میں نظام عدل اور قضا سے متعلق بہت سے بنیادی الفاظ' اوارتی اصطلاحات کی شکل میں مل جاتے ہیں خصوصاً "قضا" کا لفظ اور قرآن مجید میں بھی یہ لفظ مختلف معنوں میں سورہ ہائے سجدہ' بنی اسرائیل' طٰہٰ اور الشعراء میں ملتا ہے مگر سورۂ یونس میں یہ لفظ فیصلہ کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا۔

لسان العرب میں قضا فیصلہ کرنے اور فرمان جاری کرنے کے معنوں میں بتایا

گیا ہے اور لسان العرب میں اہل حجاز کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ قاضی کا معنی ہے "معاملات کا قطعی اور پختہ فیصلہ کرنے والا۔" امام راغب نے مفردات میں لکھا ہے کہ قضا کے مفہوم میں قطعی حکم اور قطعی عمل کو پورا کر دینا داخل ہے۔ ابن حزم کی رائے بھی اس کے قریب ہے۔ زمانہ جاہلیت کے مشہور شاعر الاعشی نے ایک جھگڑے کے فیصلے کے سلسلے میں عہد جاہلیت کے مشہور قاضی ہرم بن قطبہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا:

"تم نے اسے قاضی مانا تو اس نے تمہارے درمیان ایسا فیصلہ کیا جو روشن چاند کی طرح ہے۔ ۔ اپنے فیصلے کے لئے رشوت قبول نہیں کرتا اور نہ کسی بڑے سے بڑے خسارے کی پرواہ کرتا ہے۔"

کتاب الاغانی میں اس شعر کے ساتھ ہرم کا ایک جملہ بھی درج کیا ہے کہ

"مجھے یقین دلاؤ تاکہ میں مطمئن ہو جاؤں کہ میں جو کچھ کہوں گا اسے تم پسند کرو گے اور میں جو فیصلہ دوں گا تم اسے تسلیم کرو گے۔"

عہد جاہلیت میں فیصلے کرنے والے کے لئے ایک دوسرا لفظ "حکم" بھی مستعمل تھا۔ عدالت کے معنوں میں یہ لفظ عرب ممالک میں آج بھی مروج ہے۔ مثلاً الحکمۃ الشرعیہ یا الحکمۃ العالیہ یعنی عدالت شرعیہ اور ہائی کورٹ۔ قرآن مجید میں یہ لفظ دانائی اور فیصلہ دینا دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے سورہ مائدہ میں ہے:

"یحکم بہ ذوا عدل منکم"

"اس کا فیصلہ تم میں سے دو صاحبان عدل کریں۔"

اور ایک جاہلی شاعر کہتا ہے۔

والبغض بغیضک بعضا و بدا اذا دنت حاولت ان تحکما

"فیصلہ دیتے وقت اپنے ناپسندیدہ لوگوں سے بغض کو کم کر دو۔"

اور قرآن کہتا ہے:

ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی

(مائدہ 9)

اور یہ حدیث عام ہے کہ

"الخلافۃ فی قریش والحکم فی الانصار"

"خلافت قریش کے لئے اور عدالت و قضا کے مناصب انصار کے لئے ہوں گے۔"

قدیم جاہلی اور بدوی عدالتی روایات کی آج کے بدوی معاشرے میں جو جڑیں موجود ہیں۔ ان کا اعتراف عارف العارف نے اپنی کتاب القضاء بین البدو میں ان الفاظ میں کیا ہے:

"اگر کوئی محقق جاہلی عربوں کے عدالتی نظام کے متعلق حقائق معلوم کرنا چاہتا ہے یا محض قومی نقطہ نظر سے اس کا مطالعہ مقصود ہے تو اسے آج کل کے بدوؤں کی روایات و عادات کی طرف رجوع کرنا ہو گا کیونکہ ان لوگوں نے اپنی پرانی عادتیں اور روایات کا ایک بڑا حصہ محفوظ رکھا ہے اور ان کے قوانین پر گردش روزگار اور مرور ایام کے باوجود عصر جدید کا کوئی رنگ نظر نہیں آیا۔ جس طرح عالم عرب کے متمدن علاقوں کے قوانین پر جدید تہذیب کا رنگ غالب آ چکا ہے۔

اسلام نے عربوں کی زندگی کے ہر پہلو پر ہمہ گیر اثرات مرتب کئے خصوصاً عدالت اور قضا کے سلسلے میں۔ چنانچہ عہد جاہلیت کی بہت سی عدالتی روایات اور احکامات کو ختم کر دیا۔ بعض میں کچھ تبدیلی اور اصلاح کی اور بعض روایات و احکام کو جوں کا توں باقی رکھا۔ عرب کے جن علاقوں میں شریعت اسلامیہ اور اس سے ماخوذ شہری قانون کا نفاذ و تسلط رہا اور ان علاقوں میں جہاں شریعت اور قانون کی حکومت نہیں رہی ان میں آپ کو واضح فرق نظر آئے گا۔"

حکم کا لفظ حکومت کرنے اور فیصلہ کرنے دونوں معنوں میں قدیم عربوں کے ہاں مستعمل تھا۔ مطلب یہ ہوا کہ قدیم جاہلی عرب بھی انصاف رسانی کو فرماں روائی کا لازمی حصہ جانتے تھے جاہلی معاشرے میں حکم کی بہت توقیر تھی اور یہ کسی قبیلے کا ایسا فرد ہوتا تھا جو ظاہری وقار' وجاہت اور باطنی خوبیوں سے متصف ہوتا

Marfat.com

تھا۔ غیر مرتب مگر روایتی اصولوں کے تحت فراست اور حکمت سے فیصلے دیا کرتا اور سابقہ فیصلوں اور آرا کو بطور نظائر اپنے پیش نظر رکھتا۔ اس معاشرے میں نخلہ اور طائف کے درمیان برس کے برس قومی سطح کے بین القبائلی اجتماع سوق عکاظ میں خصوصی عدالت بھی قائم ہوتی تھی۔ جہاں خصومات کے فیصلے کئے جاتے تھے۔ عام طور پر بنی قیس کے قاضیوں کے سپرد یہ کام ہوتا تھا مگر بنو تمیم کے قاضی بھی مشہور ہوئے۔ آمد اسلام کے وقت اس قبیلے کا سردار اقرع بن حابس سب سے بڑا قاضی تھا جس نے اسلام بھی قبول کیا۔ دور جاہلیت میں قاضی یا احکام العرب میں اقرع کے علاوہ اکثم بن صیفی' غیلان بن سلمی' عامر بن الظرب' ہاشم بن عبد مناف' عبدالمطلب بن ہاشم کے نام مشہور ہیں۔ عامر کے پاس دور دراز سے عرب اپنے مقدمات لے کر پہنچا کرتے تھے۔ بعض عرب خواتین کے نام بھی اس سلسلے میں مشہور ہیں مثلاً ہند الابادیہ' فضیلہ' حزام اور جمعہ بنت حابس

مکی معاشرے میں ولید بن مغیرہ مخزومی جسے عدل قریش کہا گیا ہے' پہلا شخص تھا جس نے چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ جاری کیا تھا۔ اس معاشرے میں قطع ید کی کئی مثالیں تاریخ میں محفوظ ہیں۔ مکہ میں دارالندوہ کو ابن الکلبی نے اجتماعی امور طے کرنے کے لئے پہلی تعمیر شدہ عمارت قرار دیا۔ اگرچہ سرداران قریش بعض اجتماعی فیصلے کعبے میں بھی کیا کرتے تھے۔ بلوغ الادب میں محمود شکری آلوسی نے لکھا ہے کہ یہاں عبدالمطلب کے لئے فیصلوں کے نفاذ اور اجراء کے موقع پر ایک فرش بچھایا جاتا تھا جہاں ان کے ساتھ کوئی دوسرا نہیں بیٹھ سکتا تھا مگر نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے بچپن میں ان کے پہلو میں بیٹھ جایا کرتے تھے اور عبدالمطلب کہتے:

"میرا یہ پوتا بڑی شان اور عظمت کا مالک ہو گا۔"

آمد اسلام سے قبل عرب اور اس کے نواحی ممالک میں ہر چند کہ عدالتی نظام کی کچھ نہ کچھ صورتیں موجود تھیں اور اس کے بعض پہلو قابل تعریف بھی تھے لیکن دنیا اس زمانے میں علی العموم عدالت اور قضا کی حقیقتوں کو نہیں پہنچ سکی تھی۔ کہنے کو انصاف اور عدل کے ادارے روم اور ایران میں بھی موجود تھے اور جاہلی

عرب بھی عدل کی اقدار سے آشنا تھے کہ ان کے درمیان قبائلی سطح پر شیخ قبیلہ، کاہن اور عراف باہمی تنازعات کے فیصلے کرنے کے مجاز تھے بلکہ بعض کاہن فیصلہ دیتے وقت رنگین لباس بھی نہیں پہن سکتے تھے اور اگرچہ اس سلسلے میں قیافہ شناسی، ذاتی فراست، قرعہ اندازی اور شہادت کا رواج بھی تھا۔ لیکن ادارہ عدل و قضا کچھ زیادہ ضوابط اور قواعد کا پابند نہ تھا۔ عرب میں تو تنفیذ احکام کا کوئی ادارہ بھی موجود نہ تھا۔ اسی لئے یہاں طاقت اور قوت اور رسوخ عام طور پر فیصلوں اور ان کے نفاذ پر اثر انداز ہوا کرتے تھے اور فیصلے بدل بھی دیئے جاتے تھے۔

محمد بن حبیب نے اپنی کتاب المحبر میں لکھا ہے کہ قریش اپنے باہمی جھگڑوں کی قضا کے لئے دوسروں کے پاس بھی جایا کرتے تھے اسی طرح دوسرے قبائل اپنے جھگڑے قریش کے پاس لے کر پہنچتے۔ اپنا ایک خاندانی جھگڑا عبدالمطلب نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے سامنے بھی رکھا تھا مگر اس نے بوجوہ اپنا فیصلہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ مکہ کی شہری مملکتوں کے دس اداروں میں سے دو کا تعلق عدل گستری سے تھا۔ یعنی "حکومیہ اور اشناق" اور یہ ایک طرح کی دیوانی اور فوجداری انداز کی عدالتی عملی تقسیم تھی۔ یہ عدالتیں بے شک فیصلے صادر کرتی تھیں مگر ان کی تنفیذ ان کے بس کی بات نہ تھی۔ قضا کے اداروں کا آغاز اسلام کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگرچہ قدیم زمانے میں مکہ اور اس کے نواح کے بعض عربوں نے اپنی ذاتی ہمت سے انصاف سے محروم اور مظلوم عوام کی داد رسی کرنے کی مخلصانہ کوششیں بھی کیں۔ مثلاً حلف الاصلاح اور حلف الفضول جیسی تنظیموں کو قائم کیا تھا جنہیں ایک طرح سے نفاذ عدل کے رضا کار جاہلی ادارے کہا جا سکتا ہے مگر یہ کچھ زیادہ اور وسیع تر آبادیوں پر موثر نہ تھیں۔ حکومیہ کا ادارہ مکہ میں بنو سہم اور اشناق کا عہدہ بنو تمیم یعنی خاندان ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس موروثی طور پر تھے۔ قابل ضمانت اور قابل راضی نامہ جرم کے ارتکاب پر اشناق اس رقم کی تعین کرتا جو کسی فریق پر مالی ذمے داری عائد کرنے کی ایک صورت ہوتی۔ حلف الفضول کے رضا کار تنفیذی ادارۂ عدل و انصاف میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اپنی جوانی میں شریک ہوئے اور عمر کے آخری ایام تک آپ نے اس

Marfat.com

میں شمولیت پر فخر بھی کیا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) جب اپنی نبوت کے ساتھ تشریف لائے تو جہاں معاشری اتحاد اور سیاسی یکجہتی پیدا ہوئی وہاں اس سارے پس منظر میں قانون اور عدل کی مساوات بھی قائم ہوئی۔

ادارۂ نبوت کے ذمہ خاتم النبین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی لائی ہوئی شریعت سمیت جو مختلف فرائض سپرد رہے ان میں سے قرآن مجید کی شہادت کے مطابق ایک بڑا فریضہ قیام نظام عدل بھی تھا۔ گویا ادارہ قضا اسلامی معاشرے کے لئے میراث انبیاء کا درجہ رکھتا ہے۔ موسیٰؑ کی لائی ہوئی کتاب تورات کے بارے میں قرآن نے کہا:

انا انزلنا التورۃ - فیھا ھدی و نور یحکم بھا النبیون الذین اسلموا

"ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت کا آئین اور نور ہے۔ اللہ کے حکم بردار نبی اس کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔"

حضرت داؤد سے کہا گیا:

"**یا داود انا جعلنک خلیفۃ فی الارض - فاحکم بین الناس بالحق و لا تتبع الھوی**

اے داؤد! ہم نے دنیا میں تجھے خلیفہ بنایا۔ پس تو لوگوں میں عدل سے فیصلہ کر اور اپنی خواہش نفسانی کی پیروی نہ کر۔

اور ارشاد ہوا:

و داود و سلیمن اذ یحکمان فی الحرث (21:78)

"اے داؤدؑ اور سلیمانؑ کہ جب دونوں نے کھیتی کے بارے میں فیصلہ دیا۔"

نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں قطعی ہمہ گیر اور عالمگیر ہدایت لے کر آئے تو قرآن نے واضح الفاظ میں حکم دیا:

فاحکم بینھم بالقسط (46:5)

"آپ عدل و انصاف سے ان کا فیصلہ کیجئے۔"

فاحکم بینھم بما انزل اللہ

Marfat.com

"آپ اللہ کے نازل کردہ قرآن کے مطابق ان کا فیصلہ کیجئے۔"

فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما (4:68)

"آپ کے پروردگار کی قسم! جب تک یہ لوگ آپ کو اپنے (جملہ معاملات میں) منصف اور حاکم نہ جان لیں اور آپ کے فیصلوں سے ان کے دلوں میں کچھ تنگی اور ناخوشی نہ آنے پائے اور آپ کے ہر حکم کو (بخوشی) قبول نہ کرلیں اس وقت تک انہیں ہرگز ایمان نصیب نہیں ہو سکتا۔"

سورہ مائدہ میں واضح طور پر یہ کہہ دیا گیا کہ جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ ظالم' فاسق بلکہ بدکار ہیں چنانچہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ بھی کہلوایا گیا:

امرت لاعدل بینکم (الشوریٰ)

"مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں۔"

نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بعثت سے قبل بھی عین ایام جوانی میں تنصیب حجراسود کے سلسلے میں خود گویا اکابرین قریش کی موجودگی میں حکم بننے کا موقع مل چکا تھا۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں ایک مستحکم اسلامی معاشرے اور انتظامی ہیئت کی بنیاد رکھنے کے لئے آپؐ نے اہل ایمان مہاجرین اور انصار مدینہ کے اوس اور خزرج قبائل اور یہود کے جھگڑے بھی عدل سے نمٹائے۔ ابن ہشام نے میثاق مدینہ میں ان الفاظ کو محفوظ کیا ہے کہ:

"اس معاہدے میں شریک ہونے والوں کے درمیان اگر کوئی جھگڑا یا اختلاف ہوگا تو اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کریں گے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے متحارب گروہوں کو شیر و شکر کرنے کے بعد عدل و انصاف کو شخصی اور قبائلی سطح سے اٹھا کر مرکزی معاملہ بنا دیا اور قیام عدل و انصاف کے لئے آسان اوز سادے راستے متعین کر دیئے جو پرانے

Marfat.com

قبائلی نظام کے مقابلے میں زیادہ اور موثر اور قابل قبول تھے۔ آپؐ کو آخری عدالت مرافعہ کا مقام حاصل تھا۔ چنانچہ آپؐ نے حسب ضرورت فتاویٰ جاری فرمائے اور جب کتاب اللہ میں کوئی حکم موجود نہ پاتے تو حضورؐ ذاتی بصیرت اور اجتہاد سے فیصلہ فرماتے اور بعض اوقات صحابہ کبارؓ سے بھی مشورہ طلب کر لیا کرتے تھے اور پھر اس فیصلے کو قطعی اور قانونی حیثیت حاصل ہو جاتی تھی۔ اور وہی بطور حکم اور نظر کے تسلیم کیا جاتا تھا۔ میثاق مدینہ کی ایک شق یہ بھی تھی کہ:

"اور جب تم مسلمانوں میں کسی قسم کا تنازعہ ہو گا تو اسے اللہ اور اس کے رسولؐ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔"

چنانچہ اس معاہدے میں شریک ہر فریق کے کسی فرد پر اگر حد جاری کرنے کا موقع پیدا ہوا تو ایسا بھی کیا گیا۔ مدینہ میں قطع ید' جلاوطنی' کوڑے' رجم اور معاشرتی مقاطعہ کی سزائیں بھی دی گئیں۔ آپؐ کے نظام عدل کے سلسلے میں ایک بات طے تھی کہ جب مجرم آپؐ کی عدالت میں پیش ہو چکے اور شہادتیں گزر چکیں یا اعتراف جرم کر لیا گیا ہو تو سزا کا نفاذ بھی ہو کر رہا اور اس موقع پر کسی کی سفارش قبول نہیں کی گئی۔

عدل در حقیقت اقتضائے قانونی ہے اسی لئے قرآن کا ارشاد ہے کہ

" ان اللہ یامر بالعدل والاحسان

"بے شک اللہ انصاف اور احسان کا حکم دیتا ہے۔"

پرانے عرب معاشرے میں دولت مندوں اور سرداروں کے ساتھ جھگڑے نپٹاتے وقت جو رو رعایت رکھی جاتی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے حکم کے مطابق اسے ختم کر دیا اور حکم دیا کہ انصاف کے پیش نظر امیر و غریب یا چھوٹے بڑے کی کوئی تفریق نہ ہو گی۔

ابن ہشام اور ابن اثیر دونوں کتابوں میں یہ نظائر موجود ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اپنے خلاف دائرہ کردہ ٹارٹ اور دیوانی مقدمات کی سماعت فرمائی اور مدعیوں کے حق میں فیصلے صادر فرمائے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی کتاب (MUSLIM CONDUCT OF STATE) میں ان نظائر کا حوالہ دیا ہے۔

Marfat.com

نظائر کی شہادت موجود ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے مقدمات کے فیصلے حضورؐ نے شخصی قوانین کے مطابق فرمائے۔ یہود کی آخری عدالت مرافعہ بھی آپؐ کی ذات تھی۔ یہودیوں کے تین ایسے مقدمات کا ذکر ابن ہشام' طبری' مقریزی' ابو داؤد اور مسند احمد بن حنبل میں موجود ہیں جن کا فیصلہ آپ نے تورات کے قانون کے مطابق فرمایا اور اسے نافذ بھی کیا گیا۔ والیوں اور قضاۃ کے فیصلوں کے خلاف مرافعہ حضورؐ کے پیش کیا جاتا تھا۔ ایسے مرافعات کی مثالیں بھی "کتاب سیر" میں موجود ہیں۔ اپنے ایک افسر ضحاک بن سفیان کو ایک عورت کے اپنے خاوند کے ورثے کے معاملے میں اپنا فیصلہ تبدیل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نظام عدل و قضا کو رواج دیا۔ اس میں قانون سے عدم علم کو کوئی بہانہ شمار نہیں کیا بلکہ قانون سے آشنا کرنا ریاست کی ذمہ داری قرار دیا گیا۔ ابن شرجیل بیان کرتے ہیں:

"میں اپنے چچاؤں کے ساتھ مدینہ آیا میں ایک باغ میں داخل ہوا اور وہاں سے اناج کی چند بالیاں توڑلیں اور انہیں مسلا۔ وہاں باغ کا مالک آگیا۔ جس نے میرے کپڑے اتار لئے اور مارا پیٹا۔ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر انصاف کا طالب ہوا۔ حضورؐ نے کچھ لوگ باغ کے مالک کے پاس روانہ کئے جو اسے لے آئے۔ آپ نے اس سے پوچھا تجھے کس چیز نے مجبور کیا کہ اسے مارو۔ اس نے کہا' یا رسول اللہ! یہ میرے باغ میں گھس آیا اور وہاں سے اناج کی بالیاں توڑ کر انہیں مسلا' حضورؐ نے فرمایا' "اگر وہ لاعلم تھا تو تم نے اسے کیوں نہ سکھایا اور اگر وہ بھوکا تھا تو تم نے اسے کھانا کیوں نہ مہیا کیا۔ اس کے کپڑے واپس کرو۔ پھر آپؐ نے اسے حکم دیا کہ مجھے ایک یا نصف وسق غلہ دیا جائے۔"

(نسائی - کتاب الاداب القضاۃ)

عدل و انصاف کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس شخص کو بطور عہدہ دار نااہل قرار دیا جو خود اس تقرری کے لئے کوشاں ہو۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

Marfat.com

"جو لوگ خود خواہش کرتے ہیں ہم انہیں عامل مقرر نہیں کرتے۔"

چنانچہ ابوذر غفاریؓ کی اس خواہش کو ایک موقع پر آنحضرتؐ نے رد کر دیا۔ اس منصب پر فائز شخص کو جو جان بوجھ کر اور غلط اور غیر منصفانہ فیصلہ کرے حدیث میں شیطان کا چیلہ کہا گیا ہے۔ دیانت دار منصفین کے بارے میں فرمایا کہ یہ قیامت کے دن اللہ کے دائیں ہاتھ بیٹھیں گے۔ رشوت کو وسیلہ جہنم قرار دیا اور منصف کو ہر فرد کے ساتھ یکساں سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی۔ حکم دیا کہ کسی کے بارے میں اس کا بیان سنے بغیر کبھی فیصلہ نہ دیا جائے۔

یہ بھی فرمایا کہ "کوئی حاکم فریقین کے درمیان غصے کی حالت میں فیصلہ نہ دے بلکہ وہ فریقین کو اپنا مقدمہ اور نقطہ نظر پیش کرنے کی آزادی دے صرف ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ نہ دے" (ترمذی باب الاحکام)

ابن ماجہ کی ایک روایت کے مطابق جن لوگوں کی شہادت ناقابل قبول ہے ان میں:

1- خیانت کرنے والا
2- جسے کسی جرم میں کوڑے لگائے جا چکے ہوں۔
3- جس کی دشمنی اپنے مدمقابل کے بارے میں ثابت ہو چکی ہو۔
4- جس کی جھوٹی گواہی آزمائی جا چکی ہو۔
5- جو گھریلو ماتحت ملازم ہو۔
6- جس پر دوستی یا رشتہ داری کے مقابلے میں تہمت لگ چکی ہو۔

ان سب کی گواہی نبی کریمؐ نے قبول نہیں فرمائی۔ ان کے علاوہ زانی مرد اور عورت کی گواہی بھی ناقابل قبول ہو گی۔

اصولا البقرہ آیت 284 میں گواہ کے لئے ارشاد ہے:

"اور تم گواہی کو کبھی مت چھپاؤ اور جو اسے چھپائے گا تو یقیناً ایسا شخص ہے جس کا دل گناہ گار ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قائم کردہ عدالتی نظام میں سربراہ مملکت اور عام شہری میں بحیثیت گواہ کوئی فرق روا نہ رکھا۔ سنن ابی داؤد میں ہے

Marfat.com

کہ:

"ایک مقدمہ میں حضورؐ خود ایک بدو کے خلاف مدعی تھے۔ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں حضورؐ سے گواہ پیش کرنے کے لئے کہا گیا چنانچہ حضرت خزیمہؓ بن ثابت نے حضورؐ کی طرف سے گواہی دی۔"

"رسول اکرمؐ نے ایک بدو سے گھوڑا خریدا اور اسے قیمت لینے کے لئے اپنے پیچھے آنے کو کہا۔ آپ تیز چل رہے تھے بدو اپنی سست رفتاری کے باعث پیچھے رہ گیا۔ اسے لوگ رستے میں ملنے لگے اور انہوں نے اس گھوڑے کی زیادہ قیمت لگائی جبکہ انہیں یہ پتہ نہیں کہ حضورؐ یہ گھوڑا خرید چکے ہیں۔ بدو نے پیچھے سے آواز لگائی اور پوچھا! آپؐ یہ گھوڑا خریدیں گے یا میں اسے کسی اور کے ہاتھ بیچ دوں۔

حضورؐ رک گئے اور فرمایا کیا میں اسے تم سے خرید نہیں چکا۔ بدو نے کہا نہیں۔ میں نے یہ تمہارے ہاتھ نہیں بیچا۔ آپ نے تعجب سے فرمایا کیوں نہیں میں اسے تم سے خرید چکا ہوں۔ بدو نے کہا کوئی گواہ لاؤ۔ تب خزیمہ بن ثابت جو اتفاق سے موقع پر موجود تھے۔ بولے! میں گواہی دیتا ہوں کہ حضورؐ یہ گھوڑا تم سے خرید چکے ہیں۔ آپ خزیمہؓ کی طرف مڑے اور فرمایا! خزیمہ تم کس بنیاد پر شہادت دیتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ! آپ کی تصدیق پر چنانچہ حضورؐ نے ان کی شہادت کو قبول کیا۔

یہاں صرف ایک مرد ہی کی گواہی کو کافی سمجھا گیا۔

امام ابن قیم کہتے ہیں!

"اگر قاضی کو ایک گواہ کی سچائی معلوم ہو جائے تو وہ ایک گواہی پر بھی فیصلہ دے سکتا ہے۔"

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکام پر یہ لازم قرار نہیں دیا کہ اگر دو گواہ میسر نہ آ سکیں تو وہ فیصلہ ہی نہ کریں۔ قرآن جہاں دو مرد اور ایک مرد یا دو عورتوں کی گواہی کا ذکر کرتا ہے تو یہ اس لئے نہیں کہا گیا کہ فیصلہ کرنے والے اس تعداد کے

Marfat.com

پابند ہیں بلکہ یہ اس لئے کہا گیا ہے کہ اتنے گواہوں سے حق دار کا حق محفوظ ہو جاتا ہے۔ اگر ملزم اپنے جرم کا خوف اعتراف کرے تو اسی پر مقدمہ کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کے لئے کسی تائیدی کی گواہ کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔

ابن ماجہ کی کتاب "المحدود" میں درج ہے کہ:

"ایک چور حضورؐ کے سامنے پیش کیا گیا مال مسروقہ اس سے برآمد نہ ہوا تھا مگر اس نے اپنا جرم تسلیم کر لیا۔ اسپر آپؐ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ فریقین مقدمہ کے لئے حضورؐ نے فرمایا! کہ ثبوت کا بار مدعی کے ذمے ہے۔ اور مدعا علیہ کے لئے قسم اٹھانا ہے۔"

ترمذی باب الاحکام میں اس سلسلے میں ایک واقعہ درج کیا گیا ہے کہ

"ایک شخص حضرموت سے اور ایک کندہ سے حضورؐ کے پاس آئے۔ حضرمی نے کہا: اس شخص نے میری زمین میں مداخلت کی ہے۔ کندی نے کہا وہ میری زمین ہے میرے قبضے میں' اس پر اس کا کوئی حق نہیں۔ حضورؐ نے حضرمی سے ثبوت پیش کرنے کے لئے کہا جس پر اس نے انکار کیا آپ نے فرمایا:

پھر تم اس کندی کی قسم قبول کر لو۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! یہ آزاد طبیعت آدمی ہے اور اپنی قسم کی کچھ زیادہ پرواہ نہیں کرتا حضورؐ نے فرمایا پھر اس کی طرف سے تمہارے لئے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ کندی قسم اٹھانے کے لئے تیار ہو گیا اور چلا گیا۔ آپ نے مدعی سے فرمایا اگر وہ ناجائز طور پر تمہاری جائیداد پر پھلنے پھولنے کے لئے جھوٹی قسم کھاتا ہے تو وہ اللہ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اللہ اس کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہو گا۔"

قانونی امور میں تشریح مسائل و قانون کے سلسلے میں فتویٰ جاری کرنے والی اصولی حیثیت تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کی تھی تاہم احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ بعض صحابہ کرامؓ کو بھی اس کی اجازت دے رکھی تھی کہ وہ قرآن و سنت اور اجتہاد کی روشنی میں لوگوں کے قانونی قضیئے طے کر دیا کریں۔ ایک طرح

Marfat.com

سے ان کی حیثیت مفتی کی تھی۔ ان میں پانچ مہاجرین تھے اور تین انصاری خزرجی حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، معاذ بن جبلؓ ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ بعد میں ان میں عبداللہ بن مسعود، حذیفہ بن یمانؓ، ابودرداء، ابو موسیٰ اشعری اور سلمان فارسیؓ بھی شامل ہو گئے۔ بعض محدثین نے انسؓ، عمار بن یاسرؓ اور حضرت عائشہؓ کے نام بھی گنوائے ہیں۔

امام سیوطی نے اس مخصوص حیثیت کے حامل پچیس صحابہ کرامؓ کی فہرست گنوائی جس میں نئے نام سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن عمروؓ، عبداللہ بن عمرؓ جابر بن عبداللہؓ، ابو سعید خدری، زبیر بن العوام، عمران بن حصین، ابوبکرہ عبادہ بن صامت، معاویہؓ بن ابوسفیان، عبداللہ بن زبیر اور ام سلمی کے ہیں۔

یہ بات تو طے ہے کہ عہد نبوی میں تشریح قوانین کے لئے وکالت کا کوئی ادارہ تو موجود نہ تھا لیکن قیاس یہ چاہتا ہے کہ مذکورہ بالا اصحاب متخاصم افراد کی خواہش پر ان کے لئے تشریح قانون و مسائل کی حد تک ممدومعاون بنتے ہوں گے کیونکہ قرآن میں وکالت کے لئے ایک اشارہ بہرحال موجود ہے جو یوں ہے کہ:

"قیامت کے دن کافروں کی طرف سے اللہ سے کون جھگڑے گا۔"

چنانچہ وکیل کا وجود اسلامی معاشرے میں حسب آیت قرآنی:

کی ذیل میں آجاتا ہے۔ اور وسیع تر اسلامی معاشرے میں حصول انصاف کے لئے بطور معاون وکیل کا وجود جائز ٹھہرتا ہے تاکہ وہ قانون کی تکنیکی باتوں کو عدالت کے سامنے واضح کر سکے اگرچہ اس کا کردار یہ ہو کہ وہ حق کی تائید کرے نہ اسے غلط رخ دے نہ چھپائے نہ عملاً ظالم اور مجرم کی مدد کرے۔

بعض صحابہ کرام ضرورت پیش آنے پر از خود بھی فتویٰ دے دیا کرتے تھے۔ آگے چل کر عبداللہ بن عباسؓ بھی ایک ممتاز مفتی قرار پائے۔ ان کی بصیرت شرعی کے لئے آپؓ کے بچپن میں حضورؐ نے بطور خاص دعا فرمائی۔

افتاء کا صیغہ یا مفتی کا عہدہ سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے پھیلتی ہوئی زمانی ضرورتوں کے مطابق جاری فرمایا تھا۔ ویسے امام سرخسی نے المبسوط میں لکھا ہے کہ صدر اسلام میں قاضی ہی کو مفتی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ مدینہ کے حوالی

Marfat.com

اور مضافات کے جملہ مقدمات کی سماعت اور فیصلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ کے سامنے کبھی کسی دوسرے شخص نے قاضی کی حیثیت سے فیصلہ نہیں دیا۔ بعض اوقات کسی مقدمے کا فیصلہ کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابیؓ کو نامزد ضرور فرمایا کہ فریقین کے بیانات سن کر یا موقع پر جا کر مشاہدہ کے بعد فیصلہ کر دیں اور ایسے فیصلے تاریخ میں محفوظ ہیں۔ عمرو بن العاص ایک ذہین شخص تھے ایک دفعہ حضورؐ نے کسی مقدمے کی سماعت ان کے سپرد فرمائی انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ میں کس بنیاد پر فیصلہ کروں۔ حضورؐ ان کی بات کی تہہ تک پہنچ گئے اور فرمایا اگر تم صحیح نتیجے تک پہنچ گئے تو انصاف رسانی اور حق و عدل کی بنیاد پر تمہیں دو ثواب ملیں گے اس کے برعکس اگر تم صحیح نتیجے نہ پہنچے تو تمہارا فیصلہ اصولاً" غلط ہوگا۔ اگر ناانصافی ارادتاً" نہیں بلکہ اتفاقاً" ہوئی ہو تو تمہاری حسن نیت کی وجہ سے تمہیں ایک ثواب ضرور ملے گا کہ تم نے انصاف کرنا چاہا تھا۔

کتانی الفاسی نے اپنی کتاب التراتیب الاداریہ والعمات و الصاعات و المتاجدہ

و الحالتہ العلمیتہ التی کانت علی عہد تاسیس المدینتہ الاسلامیتہ فی المدینتہ المنورہ العلیم (مطبوعہ رباط)

میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو حضورؐ کے حکم سے بعض جگہوں پر مقدمات سننے کا موقع بھی ملا تاہم یہ علم نہیں ہوتا کہ انہیں مدینہ یا گردونواح کے کس حصے کے قضاۃ مقرر کیا گیا تھا۔

ترمذی، احمد بن حنبل اور حاکم کی بعض روایات سے معلوم ہوتا کہ تین مختلف مواقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متخاصم فریقین کے درمیان جو آپ کے سامنے اپنے مقدمات لے کر آئے۔ حضرات عمرؓ، معقل بن یسار اور عقبہ سے فیصلے کرائے اور ان کے فیصلوں کے بارے میں پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ آپ کے اس رویے کو کسی مملکت کے افسران کی تربیت کا ایک طریقہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ مردوں کے معاملات مسجد میں اور عورتوں کے معاملات اندرون خانہ پیش ہوا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں اس سلسلے میں خاصا مواد موجود ہے۔ چنانچہ دیوانی مقدمات کا ذکر کتاب الیسوع میں ملتا ہے اور فوجداری مقدمات کی تفصیلات کتاب القصاص والدیات میں بہم پہنچائی گئی ہیں۔

مدینہ میں حضورؐ کے ماتحت مددگار قاضیوں کے تقرر کے ثبوت میں حضرت حذیفہ کے تقرر کا واقعہ دار قطنی میں درج ہے کہ۔

"ایک مکان میں دو بھائی برابر کے حصہ دار تھے۔ انہوں نے درمیان میں دیوار بنا کر اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ بعد میں وہ فوت ہو گئے انہوں نے اپنے پیچھے ورثا چھوڑے۔ ہر وارث نے جھگڑا کیا کہ تقسیم کرنے والی دیوار اس کی ہے۔ وہ اپنا جھگڑا نبی اکرمؐ کے پاس لے کر آئے۔ حضورؐ نے فیصلے کے لئے حذیفہ کو مقرر کیا۔ انہوں نے فیصلہ دیا کہ یہ دیوار اس کی ہے جو اس کو تھامنے والی رسی کے زیادہ قریب ہے۔ حضورؐ نے فیصلہ سن کر فرمایا۔ کہ تم نے صحیح فیصلہ دیا ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی کے نام کے تحت یہ منصب کبھی کسی کو عطا نہیں فرمایا۔ البتہ عمال کی ذیلی ذمے داریوں میں امور قضا کی انجام دہی بھی شامل تھی مثلاً یمن کے علاقے نجران کے عیسائیوں نے فوری طور اسلام قبول نہ کیا مگر بعض دوسری سہولتوں کے علاوہ ایک اس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ ہمارے مقدمات کے فیصلوں کے لئے ایک مسلمان حکم ہمیں مہیا کر دیا جائے جو غیر جانبدار ہو چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امین الامتہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو بطور حکم نجران روانہ فرمایا جنہوں نے عملاً وہاں نہایت کامیابی کے ساتھ کچھ اس طرح قاضی کے فرائض دیئے کہ عیسائیوں میں قبولیت اسلام کا رجحان بھی پھیلا اور مسلم حکومت کے غیر مسلم عوام نے مسلم قاضی پر اعتماد کا اظہار بھی کیا۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاذؓ بن جبل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی امارت پر روانہ فرمایا۔ مگر تاریخ القضاۃ میں محمود بن عرنوس نے لکھا ہے کہ دراصل عمرؓ اسلام میں پہلے قاضی تھے اور یہ بھی لکھا ہے کہ خلافت راشدہ کے عہد

Marfat.com

میں صحابہؓ میں سے حضرت ابودرداء شام اور عبادہ بن صامت فلسطین کے پہلے نامزد قاضی تھے اور ان دونوں کو حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد میں باقاعدہ قاضی کے عہدے پر مقرر فرمایا تھا۔

اصولی بات یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہؓ کو اکناف عرب میں مقدمات کا فیصلہ کرنے کا اختیار دے کر روانہ فرمایا اگرچہ ان کے عہدہ کے لئے بطور خاص قاضی کا لفظ استعمال میں نہیں آیا۔ ترمذی اور ابوداؤد میں لکھا ہے کہ جب حضرت علیؓ کو یمن بھیجا گیا تو وہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا! یا رسول اللہ! آپ مجھے جس عہدہ پر بھیج رہے ہیں مجھے تو فن قضا کا کوئی علم نہیں حضورؐ نے فرمایا!

"خدا تمہارے قلب کو راستہ سمجھا دے گا اور تمہاری زبان کو ثبات عطا کرے گا جب تمہارے سامنے دونوں جھگڑنے والے آئیں تو جب تک مدعی کی طرح مدعا علیہ کے بیان کو بھی اطمینان کے ساتھ نہ سن لو اس وقت تک کوئی فیصلہ نہ دو۔ اس طرح صحیح فیصلہ تمہارے سامنے روشن تر طریق پر آجائے گا۔"

اس کے بعد میں برابر قاضی رہا اور کبھی کسی فیصلے میں تذبذب اور شک پیدا نہیں ہوا۔ احادیث میں حضرت علیؓ کے ایک فیصلے کی تفصیل خود آپ کی زبانی موجود ہے فرمایا:

"رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے یمن بھیجا وہاں کچھ قبائلیوں نے شیر پکڑنے کے لئے گڑھا کھودا اور اس کا انتظار کرنے لگے۔ شیر آیا اور اس میں گر گیا۔ قبائلی لگے ایک دوسرے کو گڑھے کے آس پاس دھکیلنے۔ ایک آدمی اس میں گر گیا۔ اس نے اپنے قریبی کو پکڑا۔ اس نے دوسرے قریب والے کو پکڑا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ چار افراد گڑھے میں جا گرے۔ شیر نے انہیں زخمی کر دیا۔ پھر ایک آدمی نے اسے نیزہ مارا جو اسے زخمی کرتا چلا گیا۔ اس نے آدمیوں کو گڑھے سے نکالا۔ کچھ اس میں مرچکے تھے اور کچھ زخمی تھے۔ مگر بعد میں وہ سارے

Marfat.com

مر گئے۔ تین بعد میں گرنے والوں کے قبائل نے پہلے گرنے والے کے قبیلے سے دیت کا مطالبہ کیا اور کہا اگر یہ تمہارے آدمی کی وجہ سے نہ ہوتا تو وہ گڑھے میں نہ گرتے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے آدمی نے صرف ایک کو پکڑا تھا۔ لہٰذا ہم صرف اس کی دیت دیں گے وہ جھگڑتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے باہمی لڑنے کی ٹھانی۔ ان میں سے ایک میرے پاس آیا۔ میں نے ان سے کہا کیا تم اپنے آپ کو ہلاک کرنا چاہتے ہو جبکہ رسول اللہؐ زندہ ہیں۔ اور میں تمہارے درمیان۔ میں تمہارے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے قاضی ہو اگر تم میرے فیصلے پر راضی ہو گئے اور یہ تمہارے درمیان نافذ کر دیا جائے گا اگر تم اس پر راضی نہ ہوئے تم اپنی کارروائی بند رکھو گے جو شخص اس کی خلاف ورزی کرے گا اس کا کوئی حق نہ ہو گا۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہؐ کے سامنے اپیل کرے وہ فیصلہ کرنے میں مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ وہ قبائلی اس پر راضی ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے انہیں حکم دیا:

جو گڑھے میں موجود تھے ان میں سے ایک پورا خون بہا' ایک آدھا خون بہا اور ایک تہائی خون بہا اور ایک چوتھائی خون بہا جمع کریں۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے یہ فیصلہ دیا کہ سب سے نچلے والے کو ایک تہائی خون بہا دیا جائے۔ کیونکہ وہ اس حالت میں مرا جبکہ اس کے اوپر تین آدمی پڑے تھے' اس سے اوپر والے دوسرے کو ایک تہائی دیت دی جائے کیونکہ .. اس حالت میں مرا جبکہ اس کے اوپر دو آدمی پڑے تھے۔ اس کے بعد والے کو آدھا خون بہا دیا جائے کیونکہ وہ اس حالت میں مرا جبکہ اس پر ایک آدمی پڑا تھا اور سب سے اوپر والے کو پورا خون بہا دیا جائے کیونکہ اس کے اوپر کوئی نہیں مرا۔

ان میں سے بعض اس فیصلے پر راضی ہو گئے مگر بعض راضی نہ ہوئے۔ میں نے حکم دیا تمہیں میرے فیصلے پر قائم رہنا ہو گا۔ یہاں تک کہ تم رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچو۔ پھر وہ تمہارے درمیان فیصلہ

Marfat.com

کریں گے۔ وہ حج کے موقع پر حضورؐ کی عدالت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ نے نماز ختم کر چکے تھے اور مقام ابراہیم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ وہ آپؐ کے سامنے پیش ہوئے اور اپنا مقدمہ سنایا۔ حضورؐ اپنے گرد چادر لپیٹ کر بیٹھے ہوئے تھے آپؐ نے فرمایا یقیناً میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا۔ مجلس کے کونے سے ایک شخص بولا۔ علیؓ ابن ابی طالب نے یمن میں پہلے ہی فیصلہ کر دیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: کیا فیصلہ کیا؟ اس نے فیصلہ آپؐ کو بتا دیا۔ حضورؐ نے فیصلہ جو میں نے دیا تھا۔ سن کر اسے برقرار رکھا۔"

یہ ساری تفصیل مسند احمد بن حنبل میں موجود ہے۔ اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرمؐ کے قائم کردہ نظام عدالت کے بنیادی اصولوں میں یہ باتیں شامل تھیں کہ عدالتوں میں فریقین باقاعدہ پیش ہوتے تھے۔ سماعت، گواہی، جرح، تمام عدالتی کارروائی پوری سہولت اور آزادی کے ساتھ عمل میں آتی تھی۔ صوبائی اور علاقائی عدالتیں اپنے فیصلے نافذ کیا کرتیں تھیں۔ ان فیصلوں کے خلاف رسول اللہؐ کی عدالت عالیہ میں اپیل دائر کی جا سکتی تھی۔ اور فیصلوں پر نظرثانی بھی کی جا سکتی تھی۔

سیرت ابن ہشام میں ضلع نجران کے قاضی عمرو بن حزم کا ایک واقعہ درج ہے:

"بنو حارث بن کعب کا علاقہ حضرت خالد بن ولید نے فتح کیا تو اسے اسلامی ریاست میں ایک ضلع کی حیثیت حاصل ہو گئی قیس بن حسین اس کے عامل اور ممتاز ماہر قانون عمرو بن حزم قاضی مقرر ہوئے۔ رسول اللہ نے انہیں اس تعیناتی کے موقع پر جو دستاویز دیں۔ اسلامی نظام عدل میں اسے ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ عوام کو انصاف بلا رو رعایت اور غیر جانبداری سے دیا جائے۔ جور اور زیادتی سے اجتناب ہونا چاہئے۔ اس دستاویز میں جسمانی ایذاء اور نقصان کی صورت میں ہرجانہ کے قواعد بھی درج تھے۔

Marfat.com

علاقہ زبید کے قاضی ابو موسیٰ یمنی کو حضورؐ نے روانگی کے وقت اہم بنیادی عدالتی اصول تعلیم فرماتے تھے۔"

فرمایا: آسانی پیدا کرنا' تکلیف نہ دینا' خوشی کے سامان پیدا کرنا' نفرت نہ پیدا کرنا' متفقہ فیصلے کرنا یعنی ایسے فیصلے جن میں ہم آہنگی ہو۔ تضاد اور اختلاف نہ ہو ورنہ فریقین میں دشمنی اور عناد اور فساد بڑھے گا۔"

الجند کے قاضی معاذؓ بن جبل کو معروف ہدایات کے علاوہ ایک خاص ہدایت یہ دی تھی کہ:

"مظلوم کی آہ سے بچتے رہنا کیونکہ ان کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔"

ابن ماجہ میں حضرت معاذ کی یہ روایت درج ہے:

"جب رسول اللہ نے مجھے یمن بھیجا تو فرمایا: جب تک مقدمہ زیر غور ہو۔ اچھی طرح سمجھ نہ لو' نہ کوئی حکم جاری کرنا نہ فیصلہ دینا اگر کسی بات میں مشکل ہو تو اس کی وضاحت تک رکے رہنا یا اس کے متعلق مجھے لکھ دینا۔"

حضرت علیؓ نے اپنے آپ کو اس منصب کا پورا پورا اہل ثابت کیا جو ان کے سپرد عین جوانی میں کیا گیا تھا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگرچہ حضورؐ نے انہیں روانہ کرتے ہوئے قاضی کے لفظ سے یاد نہیں فرمایا۔ مگر اس روایت میں حضرت علیؓ نے خود اپنے لئے واقعہ بیان کرتے ہوئے قاضی کا لفظ استعمال کیا ہے۔

معاذ بن جبل کو بھی اسی غرض سے یمن روانہ کرتے ہوئے حضورؐ نے فرمایا اور یہ بھی ابوداؤد اور ترمذی کی روایت ہے کہ:

"تمہارے پاس کو مقدمہ آئے تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا' فرمایا! اگر کتاب اللہ میں اس کے متعلق کوئی حکم نہ ملے تو' عرض کیا: سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ دوں گا' فرمایا: اگر وہاں بھی نہ ملے تو کیا کرو گے' عرض کیا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ فرمایا: اپنی رائے سے اجتہاد کرو' اللہ تمہاری صحیح رہنمائی

Marfat.com

کرے گا۔"

یمن کے نواح میں چار اور فیصلہ کرنے والے بھی حضورؐ نے روانہ فرمائے تھے۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ خالد بن سعیدؓ صنعا کے لئے مہاجر بن امیہ 'کندہ کے لئے' زیاد بن لبید کو حضر موت کے لئے اور ابو موسیٰ اشعری کو زبید' عدن اور سواحل کے لئے روانہ فرمایا۔

اسی طرح آنحضرتؐ نے عقاب بن اسید کو مکہ میں عامل مقرر فرمایا۔ ان کی عمر اس وقت بیس برس کی تھی۔

مگر انہوں نے مکہ میں انتہائی کامیاب عدالتی نظام قائم کیا۔ ان کے فیصلہ کے خلاف شاید ہی کبھی اپیل کی نوبت آئی ہو۔ ایک مقدمہ کی تفصیل طبری نے اپنی تفسیر میں بیان کی ہے:

"بنو عمرو اور بنو مغیرہ مکے میں ظہور اسلام سے قبل بہت زیادہ قرض دیتے اور لیتے تھے۔ ظہور اسلام کے وقت بنو مغیرہ کے ذمے بنو عمرو کا کافی زیادہ قرض واجب الادا تھا۔ وہ اپنا سود مانگتے بنو مغیرہ انکار کرتے تھے۔ کیونکہ اسلام میں سود کی ممانعت ہے۔ بنو عمرو نے مکے میں حضرت عتاب بن اسید کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ سماعت اور تحقیق کے بعد آپ کو فیصلے میں بڑی مشکل محسوس ہوئی۔ اس کے لئے نئی قانون سازی کی ضرورت تھی۔ جو ان کے عدالتی اختیار میں نہ تھی۔

چنانچہ انہوں نے رہنمائی کے لئے یہ مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا۔ حضورؐ نے بھی محسوس کیا کہ ایسے مقدمے کا فیصلہ کرنے کے لئے ابھی قانون نازل نہیں ہوا۔

اس موقع پر سورۃ بقرہ کی یہ آیات نازل ہوئیں:"

"اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور سود میں سے جو باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم صاحب ایمان ہو۔ اگر تم یہ نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ لیکن اگر تم توبہ کرو تو تمہیں تمہارا اصل زر مل جائے گا۔ نقصان نہ پہنچاؤ تمہیں بھی

Marfat.com

نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔

چنانچہ رسول اللہ نے یہ آرڈی نینس اپنے قاضی عتاب بن اسید تک پہنچا دیا اور انہیں ہدایت فرمائی کہ بنو عمرو کو فیصلہ سے آگاہ کر دیا جائے اگر وہ مان جائیں تو بہتر ورنہ اسلامی مملکت کی طرف سے انہیں جنگ کا پیغام دے دیا جائے۔

عہدہ امارت کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی مہاجر کو انتخاب فرماتے تو ہمراہ کسی انصاری کو بھی روانہ کیا کرتے تھے۔ ان اصحاب کے انتخاب کے وقت حضورؐ ان کی علمیت' فراست اور کردار کا جائزہ ضرور لیا کرتے تھے۔

ترمذی کتاب الاحکام اور ابن عبدالبر تذکرہ معاذ بن جبل میں محفوظ کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں روانگی سے قبل ان عمال کا آپؐ خود ایک انٹرویو لیتے جنہیں عملاً بیرون مدینہ بطور قاضی بھی کام کرنا ہوتا تھا۔ مثلاً حضورؐ نے حضرت علیؓ کو یمن میں بطور قاضی تقرر کو اتنی اہمیت دی کہ فرمایا کہ

"اے علیؓ! اگر تم وہاں نہ جاؤ گے تو میں خود وہاں جاؤں گا۔"

محصلین زکوٰۃ کی ایک طویل فہرست کتب سیر میں ملتی ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ وقتاً فوقتاً یہ لوگ بھی اپنے اپنے حلقے میں لوگوں کے جھگڑے چکا دیا کرتے تھے۔ بہر حال قاضی یا جج کا عہدہ بعد کے زمانے میں عہدۂ امارت یا عامل سے الگ کر دیا گیا۔ ابن خلدون نے قضا کو دراصل خلافت کے وظائف (Functions) میں شمار کیا ہے۔ اور اسے صرف خلیفہ کے لئے مخصوص گردانا ہے۔ اور لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے امور خلافت کے پھیلاؤ کے باعث یہ منصب بطور عہدہ اپنے پورے اختیار کے ساتھ ابو درداء انصاری اور عویمر بن ثعلبہ انصاری کو عطا فرما کر انہیں مدینہ میں باقاعدہ بطور قاضی مقرر فرمایا۔ دراصل یہ تقسیم کار کی ایک صورت تھی۔

(بحوالہ ابو درداء)

تیرہ مرتبہ اسفار پر روانہ ہوتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم کو بھی اپنا نائب یا امیر شہر مقرر فرمایا اور وہ نابینا تھے اور اس سے امام

Marfat.com

مالک نے استنباط کیا ہے کہ نابینا کی قضا یا امارت ناجائز نہیں۔ انہوں نے اسی ضمن میں کہا کہ دیگر اعضا کی سلامتی اگرچہ منصب امارت میں داخل ہے۔ لیکن منصب قضا میں نہیں۔ عدل و قضا کے حوالے سے بعض احادیث اہم امور کی طرف توجہ دلاتی ہیں۔

عدل و قضاء کے حوالے سے بعض احادیث میں چند اہم امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:

"حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے قصاص میں کوئی مقدمہ حضورؐ کی حکومت میں پیش ہوتے نہیں دیکھا مگر یہ کہ اس میں حضورؐ نے معاف اور درگزر کرنے کا مشورہ دیا۔"

(ابو داؤد)

"اگر کوئی حاملہ عورت کسی کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اسے اس وقت قصاص میں قتل نہ کیا جائے جب تک بچہ پیدا نہ ہو جائے اور جب تک اس بچے کا کفیل نہ ہو جائے۔

(سنن ابن ماجہ" باب الادیات)

"جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم اسی کو قتل کریں گے اور جو شخص اس کا ناک' کان یا کوئی دوسرا عضو کاٹے گا تو اس کے بدلے میں اس کا بھی وہی عضو کاٹا جائے گا۔ اور جو اپنے غلام کو خصی کرے گا اسے بھی اس کے بدلے میں خصی کیا جائے گا۔

(سنن نسائی)

قبیلہ ثعلبہ کے کچھ لوگ حضورؐ کی خدمت میں ٹھیک اس وقت پہنچے جیسا آپؐ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ تو ایک آدمی نے عرض کیا' یا رسول اللہ! بنو ثعلبہ کے کچھ لوگوں نے آپ کے فلاں فلاں صحابیؓ کو قتل کیا' فرمایا: ایک شخص کی غلطی کے بدلے میں دوسرے کو سزا دینا ناجائز ہے۔

(سنن نسائی)

"جس نے جان بوجھ کر قتل کیا اسے مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دیا جائے

گا اگر وہ چاہیں تو دیت لے لیں ورنہ جس چیز پر وہ صلح کرلیں وہ ان کے لئے ہے۔"

(ترمذی)

"جو شخص کسی مسلمان کو بلا وجہ قتل کرے اور شہادت سے اس کا قتل ثابت ہو جائے یا ■ خود جرم کا اقرار کرے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اگر مقتول کے وارث معاف کردیں تو کوئی حرج نہیں۔"

(ترمذی)

"حدیں مسجدوں میں قائم نہ کی جائیں اور نہ باپ کا قصاص بیٹے سے لیا جائے۔"

(ترمذی)

"جو شخص اپنے آپ کو طبیب ظاہر کرے اور وہ دراصل طبیب نہ ہو تو کسی نقصان کی صورت میں وہی ذمہ دار ہو گا۔

(ابوداؤد)

حضورؐ نے واقعاتی شہادتوں کی بنیاد پر جو فیصلے مسلمانوں کے خلاف غیر مسلموں کے حق میں دیئے ان میں سے ایک واقعہ یادگار ہے:-

"حریم بن فاتک کہتے ہیں' نبی اکرمؐ نے ایک روز صبح کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر تین مرتبہ فرمایا' جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر کی گئی ہے۔ حضور نے فرمایا' سچ بولو' خواہ تمہارے اپنے خلاف ہو۔"

"مشہور فیصلہ یہ ہے کہ ابولعہ نے جو انصاری تھا ایک زرہ چرائی اور اسے آٹے کی بوری میں رکھ دیا۔ بوری پھٹی ہوئی تھی اس لئے آٹا راستے میں اس کے گھر تک گرتا چلا گیا۔ قرائن سے معلوم ہوتا تھا کہ وہی چور ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ زرہ اس نے ایک یہودی کے پاس رکھوا دی اور پھر اپنی برادری میں آکر مشہور کردیا کہ زرہ یہودی نے چرائی ہے۔ اس انصاری کی برادری کے لوگ چاہتے تھے کہ حضورؐ انصاری کی عذر خواہی کریں۔ حضورؐ کو قرائن سے حقیقت کا پتہ چل گیا چنانچہ آپ نے فیصلہ یہودی کے حق میں دیتے ہوئے اسے بری کردیا۔ ابولعہ مرتد

Marfat.com

ہو کر مکہ کی طرف بھاگ گیا۔"

حضورؐ نے کئی بار اس بات کی وضاحت فرمائی کہ حدود کے معاملے میں بڑے اور چھوٹے، امیر اور غریب اور مرد و عورت میں امتیاز نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایک مرتبہ خطبے میں ارشاد فرمایا:

"تم سے پہلی امتیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ ان میں سے جب کوئی مرتبہ والا چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور اگر کوئی غریب آدمی چوری کرتا تھا تو اسے سزا دیتے تھے۔ قسم ہے خدا کی! اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرے تو میں اس کے ہاتھ کاٹ ڈالوں گا۔"

حضورؐ نے اپنے عدالتی نظام میں شک کا فائدہ ملزم کو دینے کے طریق کو رواج دیا۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ:

"حضورؐ نے فرمایا! جہاں تک ہو سکے حدود کو دور رکھو اور اگر ذرہ سا بچاؤ کا موقعہ نکل آئے تو ملزم کو چھوڑ دو۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

"معافی دیئے ہوئے اگر خطا بھی ہو جائے تو اس سے بہتر ہے کہ سزا دینے میں غلطی کی جائے۔"

بعض نظائر سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوجداری نوعیت کے مقدموں میں ملزم کو تحقیقات تک اور قرض دار کو قرض کی ادائیگی تک حوالات میں محبوس رکھا۔ ابو داؤد میں اس سلسلہ میں ایک روایت موجود ہے۔ اور المبسوط میں اس بات کا ذکر بھی ہے کہ بعض اوقات عہد نبویؐ میں حاضری کا مچلکہ بھی لیا جاتا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب نبوت آخریں پر فائز ہونے کے باوصف تنہا حکمرانی کے تمام امور انجام دینا بہرحال ایک تھکا دینے والا اور مشکل امر تھا۔ اسی لئے حضورؐ نے اس اہم مسئلے کی طرف پری توجہ دی اور حکومت کے مناصب پر ایسے لوگوں کو منتخب کر کے فائز کیا جو اسلامی ریاست کے مقصد وجود کو خوب اچھی طرح سے سمجھتے تھے۔ اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے پر بخوبی

Marfat.com

قادر تھے۔ یعنی اپنے ساتھ عوام کے ساتھ اور اپنے دین کے ساتھ انصاف کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ یہ حضرات تجربہ کار' تربیت یافتہ' صالح' لائق' اپنے اپنے قبائل میں امتیازی حیثیت رکھنے والے اور منصب رسالت کے وفادار تھے۔ یہ سمجھتے تھے کہ یہ عہدہ ان کے لئے کسب دنیا یا حب جاہ کا باعث نہیں بنے گا۔ ان کے مناصب کا اخلاق سے براہ راست رشتہ قائم ہو چکا تھا۔

حضورؐ نے سول سروس کے انتخاب میں لالچ اور حرص و ہوس کے تصور کا خاتمہ کر دیا اور مناصب کے آزمائشوں کے لئے ہروقت تیار رہنا سکھا دیا تھا۔ چنانچہ والی یا قاضی کے مقام پر جو لوگ بھی فائز ہوئے انہوں نے اپنے منصب اور عہدہ کو اپنا حق نہیں بلکہ امانت سمجھ کر قبول کیا اور درحقیقت قرآن کے اس ارشاد کا اصل مفہوم بھی امام ابن تیمیہ کے نزدیک یہی تھا کہ:

ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا (النساء)

"اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے ہی سپرد کی جائیں۔"

عہد نبوی کی سول سروس کا یہ ڈھانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاملہ فہمی اور رموز مملکت سے آگاہی کا نتیجہ تھا چنانچہ اسی منضبط طریق کار کے تحت آپؐ نے مفتی' قاضی' محتسب' والی' عامل اور جلاد وغیرہ کی ذمہ داریاں اہلیت کے پیش نظر اپنے اصحاب کبارؓ کو سونپیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی کسی کو والی یا عامل یا امیر یا نزاعی امور میں فیصلہ دینے والا بنا کر بھجوایا تو اس کی تنخواہ کبھی مقرر نہیں فرمائی۔ طبقات میں ابن سعد کے قول کے مطابق:

"معاذ بن جبل کو یمن روانہ کرتے ہوئے ان کے مخصوص حالات کے پیش نظر ارشاد فرمایا تھا کہ تم پر بہت قرض ہے۔ اگر کوئی تمہارے پاس تحفہ لائے تو قبول کر لینا۔ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں۔ بعد میں یہ رعایت ان مناصب کے لئے ختم کر دی گئی۔ عمال کو معمولی رقم بطور اخراجات لے لینے کی اجازت تھی۔"

ابو داؤد کی روایت کے مطابق:

"آپ کے حکم سے مدینہ میں یہ منادی کرا دی گئی تھی کہ جو شخص ہماری

مقررہ شرح سے زیادہ مونہ وصول کرے گا خیانت مالی کا مرتکب ہو گا۔"

حضورؐ کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

"جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بیوی کا خرچ لینا چاہئے اور اگر اس کے پاس اپنا نوکر نہ ہو تو نوکر کا بھی' اگر مکان نہ ہو تو رہائش کا بھی' لیکن اس سے زیادہ وصول کرنیوالا خائن ہو گا۔"

عہد نبوی میں حسب روایت ابن ہشام والی مکہ کو تیں درہم ماہوار وصول کرنے کی اجازت دی تھی۔ فیصلہ کرتے ہوئے عام شہادتوں کے علاوہ نبی کریمؐ نے ماہرین فن کی شہادت کو بھی خصوصی طور پر قبول فرمایا۔ خصوصاً زرعی پیداوار کے اندازوں' تعمیرات' قیافہ شناسی وغیرہ کے ماہر عہد رسالت میں اپنی فنی شہادت' عدالتی اغراض کو پورا کرنے کے لئے حضورؐ کے سامنے پیش کرتے رہے۔ چنانچہ جیسا کہ ابن قیم' ابی عبید اور کتانی نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ بارہا ان ماہرین فن کی آرا پر حضورؐ نے فیصلہ کر کے اسے نافذ فرمایا۔

حضرت عمرؓ نے پہلی دفعہ خصوصی طور پر قاضی کے منصب پر فائز شخص کے لئے ایک سو درہم تنخواہ مقرر فرمائی۔ چنانچہ عہد خلافت راشدہ کے مشہور قاضی شریح کی ابتدائی تنخواہ طبقات ابن سعد میں یہی بیان کی گئی ہے۔ جس میں عہد بہ عہد اضافہ ہوتا رہا۔ قاضی شریح کو بہت چھوٹی عمر میں ان کی موروثی عدالتی ذہانت کے پیش نظر آپؐ نے قاضی بصرہ تعینات فرمایا۔

سنن نسائی کتاب الاداب القضا میں ہے کہ:

"ان کے والد زمانہ جاہلیت میں اپنے عمدہ فیصلوں کی بدولت ابوالحکم کہلاتے تھے اور قاضی شریح عہد عمرؓ سے عہد عبدالملک تک ساٹھ برس مسلسل قاضی کے عہدے پر فائز رہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اکثر فیصلے مسجد نبوی میں صادر فرمائے گویا تب مسجد ہی کمرہ عدالت بھی تھی۔ آپ نے مقدمات میں فریقین کی شہادتوں اور دلائل کی سماعت بھی فرمائی۔ سماعت مقدمات کے دوران مسلمانوں کے ساتھ

Marfat.com

غیر مسلموں کو بھی مسجد میں پیش ہونے کی اجازت تھی۔ اس سلسلے میں آپ کا واضح ارشاد تھا جو صحاح ستہ میں نقل ہے یوں ہے:

"میں بشر ہوں میرے پاس مقدمات آتے ہیں۔ بعض اوقات ایک فریق دوسرے سے زیادہ چرب زبان ہوتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ سچا ہے۔ پھر میں اس کے حق میں فیصلہ دے دیتا ہوں۔ ایسے کسی شخص کے حق میں فیصلہ ہو جائے اور کسی دوسرے کا حق مارا جائے تو .. دراصل آگ کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے جو اس کے پاس گیا۔ اسے اختیار ہے کہ اسے اٹھا لے یا چھوڑ دے۔"

عہد نبوی میں مجرموں پر حد ہمیشہ مسجد کے باہر جاری کی گئی۔ فیصلے بیرون مسجد بھی جاری کئے جاتے تھے۔ فیصلوں کو تحریری شکل میں لانے کا رواج عہد نبوی میں نہیں ہوا تاہم توقیعات اور فرامین لکھنے کی ابتدائی صورتیں موجود تھیں۔ اور زید بن ثابت، معاویہؓ، عامر بن فہیرہ، ابی بن کعب اور بعض دوسرے صحابہ انہیں املا کیا کرتے تھے۔ زرقانی نے ایسے فرامین کے لئے ایک باب قائم کیا۔ نفاذ فیصلہ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم) نے نائبین بھی مقرر کر رکھے تھے۔ ابن سعد میں ہے کہ ایک زانیہ کے مقدمہ میں اجرائے حد کے لئے آپؐ نے انیس الاسلمی کو مقرر فرمایا تھا۔

قرض وغیرہ کے جن تنازعات کا ابھی معاملہ طے نہیں ہوتا تھا اور مقروض مر جاتا تو جھگڑا چکانے کے لئے حضورؐ اس وقت تک اس کا جنازہ نہ پڑھاتے، جب تک اس کے لواحقین اس کا قرض ادا کر کے معاملہ طے نہ کرتے اور قرض کی ادائیگی کا فیصلہ نہ ہو جاتا۔ یہ بھی دراصل: قساب کی ایک صورت تھی۔ محتسب آپ کے عہد میں کوئی باقاعدہ منصب نہ تھا یہ فریضہ حضورؐ کے اپنے ذمہ تھا۔ محتسب کا باقاعدہ عہدہ بعد کے زمانے میں قائم ہوا۔ معاملات کی نگرانی آپ نے ہمیشہ سختی سے فرمائی اور سزائیں دی گئیں۔ منڈی کے امور کی نگرانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور پر فرماتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"جو لوگ فریب دیتے ہیں وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔"

ایک صحابی صدقات کی وصولی کے لئے بھجوائے گئے واپس آئے تو ان کے پاس دو بوجھ تھے۔ انہوں نے کہا نبی کریمؐ سے کہا کہ یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھے ہدیہ ہوا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: گھر میں بیٹھے بیٹھے تمہیں ہدیے کیوں نہیں مل جاتے اور ایسے ہدیے بحق اہل اسلام ضبط کر لئے گئے۔ نیز آئندہ کے لئے ہدیے کی وصولی کی عمال کے لئے ممانعت کر دی گئی۔

عہد نبوی میں شرطہ یا پولیس کا ابتدائی نمونہ یہ ہے کہ قیس بن سعد اس خدمت کو انجام دیتے تھے اور بخاری کتاب الاحکام کے مطابق اس غرض سے حضورؐ کے ہمراہ رہا کرتے تھے۔ مجرموں کی گردن مارنے یا جلاد کا فریضہ حضرات زبیرؓ، علیؓ مقدادؓ بن الاسود، محمد بن مسلمہؓ، عاصمؓ بنؓ ثابت اور ضحاکؓ بن سفیان کلابی کے سپرد تھا جیسا کہ ابن قیم نے زادالمعاد میں لکھا ہے:-

نبی کریمؐ کا واسطہ پورے عرب قبائل سے تھا۔ جن کے لئے اپنے اپنے مزاج اور روایات اور رسوم تھیں اور جداگانہ مسائل اور نزاعات اور قدیم دشمنیاں تھیں اور یہ قبائل بیرونی اور اندرونی دونوں قسم کی پیچیدہ عداوتوں کے شکار تھے۔ ان کے نزاعات کا فیصلہ کرتے ہوئے آپ نے تالیف قلوب سے بھی کام لیا کہ عدل کا ایک قرینہ یہ بھی ہے۔

چنانچہ احادیث سے قاضی کے لئے چند فرائض تجویز ہوتے ہیں جو گویا اسلامی نظام عدل و قضا کی بنیاد ہیں:

قاضی کا تقرر اس لئے عمل میں آتا ہے کہ وہ انصاف قائم کرے" حقدار کا حق دلائے" ظلم کو روکے اور نیکی کی اشاعت کرے۔ ایسا کرتے وقت قرآن و سنت کی بالادستی ہر حال میں قائم رہے گی۔ جہاں تک قیام عدل کا تعلق ہے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اعدلوا ھو اقرب للتقوی (مائدہ - 8)

عدل کرو یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔

قرآن حکیم کی اسی سورہ میں دوسرا ارشاد ربانی ہے۔

اقسطوا ان اللہ یحب المقسطین (مائدہ - 42)

Marfat.com

انصاف کرو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں انصاف مہیا کرنے کی جا بجا تاکید کی ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاف مہیا کرنے کا عملی نمونہ پیش فرمایا کہ آپ نے میثاق مدینہ کے تحت حاصل شدہ اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے یہودیوں کے مختلف قبائل میں امتیاز کو ختم کر کے انہیں برابر قرار دیا۔ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ قانون کی نظر میں سب افراد برابر ہیں۔ اس لئے سب انسانوں سے مساوی سلوک کیا جائے گا اور سابقہ اقوام اس لئے تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کمزوروں کو زیادہ اور طاقتوروں کو کم سزا دیا کرتے تھے۔ اس لئے قاضی کا فرض ہے کہ حاکم و محکوم، راعی اور رعایا، امیر و غریب نیز ضعیف و قوی کو برابر سمجھے اور معاشرے کے تمام افراد کو انصاف کے مساوی مواقع فراہم کرے۔

جب قاضی عدالت میں کرسی عدالت پر متمکن ہو اور وہ مقدمہ کی سماعت میں مصروف ہو تو اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اس کا فرض ہے کہ وہ فریقین، مدعی اور مدعی علیہ سے مساوی سلوک کرے، انہیں برابر بٹھائے، ان سے ایک سی آواز میں گفتگو کرے۔ جب مدعی اور مدعی علیہ عدالت میں حاضر ہوں تو ان کے منصب اور مرتبہ کا ہرگز لحاظ نہ کرے۔ اور ان میں سے کسی کو بھی کسی بات میں ترجیح نہ دے، انہیں عدالتی نظام کے آداب اور طریق کار کو ملحوظ رکھنے کی برابر تلقین کرے۔ کیونکہ ایسا کر کے ہی قاضی انصاف کے تقاضے پورے کر سکتا اور اپنے کو غیر جانب دار رکھ سکتا ہے۔ جس سے نظام قضاء اور قاضی کی عظمت قائم ہو گی۔ اس باب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل ارشادات سے رہنمائی ملتی ہے۔

عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہا انہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ابتلی بالقضاء بین المسلمین فلیعدل بینھم فی لحظتہ و اشارتہ و مقعدہ و مجلسہ (سنن دار قطنی ج 2 صفحہ 511)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا مکلف ہو،

Marfat.com

اسے چاہئے کہ ان کے درمیان اشارے، کنائے اور بیٹھنے اٹھنے میں برابری قائم رکھے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من ابتلی بالقضاء بین المسلمین فلا یرفع صوتہ علی احد الخصمین مالم یرفع علی الاخر (سنن دار قطنی ج 2 صفحہ 511)

جو شخص مسلمانوں کے مابین فیصلہ کرنے کا مکلف ہو وہ فریقین میں سے ایک کے لئے اسی قدر آواز بلند کرے جس قدر دوسرے کے لئے بلند کرے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ قاضی اس وقت تک دعویٰ نہ سنے جب تک دونوں فریق قاضی کے روبرو موجود نہ ہوں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر فریقین کی موجودگی میں فیصلہ فرماتے تھے۔ نیز صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایک اور حدیث مذکور ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب قاضی فیصلہ کرے تو فریقین میں مساوات قائم رکھے اور شریف اور رذیل میں کوئی امتیاز نہ کرے۔

قاضی چونکہ انصاف مہیا کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے اور انصاف اسی صورت میں فراہم ہو سکتا ہے جب فریقین کو اپنا اپنا موقف پیش کرنے کے مکمل مواقع حاصل ہوں۔ اس لئے قاضیؒ کے فرائض میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ فریقین کو اپنا اپنا موقف بیان کرنے کے لئے مساوی مواقع فراہم کرے۔ اور وہ حتی الوسع یکطرفہ فیصلہ نہ کرے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنن ابو داؤد اور سنن الترمذی میں مذکور ہے۔

عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تقاضی الیک رجلان، فلا تقض للاول حتی تسمع کلام الاخر فسوف تدری کیف تقضی (الخطیب بغدادی: مشکوۃ المصابیح ج 2 صفحہ 325)

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

Marfat.com

فرمایا کہ جب دو افراد اپنا مقدمہ پیش کریں تو آپ ایک کے حق میں فیصلہ نہ کریں جب تک دوسرے کا موقف نہ سن لیں۔ ممکن ہے فیصلہ کی کوئی شکل نکل آئے۔

ایسا کرنے سے نہ صرف انصاف کے تقاضے پورے ہوں گے بلکہ مقدمے کی صحیح صورت حال بھی سامنے آ جائے گی۔ اس حدیث کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یمن کا قاضی مقرر کیا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری عمر چھوٹی ہے میں کس طرح فیصلے کروں گا؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو ہدایت سے نوازے گا' آپ کی زبان حق پر ثابت رہے گی' جب فریقین عدالت میں موجود ہوں تو دونوں کا موقف سنے بغیر فیصلہ نہ کریں کیونکہ دوسرا فریق فیصلہ کی راہ آسان کر دے گا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے ان ہدایات پر عمل کیا اور کامیاب قاضی ثابت ہوئے۔ ان شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کے فرائض میں سے ہے کہ وہ فریقین کو ہر طرح کے مواقع فراہم کرے کہ وہ اپنا موقف اصالتاً" یا وکالتاً" بیان کر سکیں۔ اسی میں قاضی کی بھلائی ہے اور اسی سے انصاف کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں۔

قاضی کے فرائض میں سے ہے کہ جو شخص عدالت میں پیش ہو وہ اس سے قسم لے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم لیا کرتے تھے۔ مسلمان سے ان الفاظ میں قسم لی جاتی تھی کہ **"احلف باللہ الذی لا الہ الا ھو مالہ عندی شیٔ"** (ابوداؤد کتاب القضاء باب کیف یحلف بالیمین۔ مجھے قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں میرے پاس مدعی کی کوئی چیز نہیں۔ جب کہ غیر مسلم افراد سے ان الفاظ میں قسم لی جاتی تھی۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صوریا سے قسم لی تھی کہ اس خدا کو یاد کرو جس نے تمہیں فرعون سے نجات دی تمہارے لئے سمندر کو چیرا اور تم پر من و سلویٰ اتارا۔ (ابوداؤد: سنن کتاب القضاء ج 2 صفحہ 154)

انسان جب غصہ میں ہوتا ہے تو وہ حقائق سے بے خبر ہو جاتا ہے اور نتائج

Marfat.com

سے بے بہرہ، اسی طرح اس کی فکری اور عقلی قوتیں مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں اس لئے غصہ کی حالت میں کوئی انفرادی یا اجتماعی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ قاضی کے اس فریضہ کو یاد دلانے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا یحکم احد بین اثنین و ھو غضبان

غصہ کی حالت میں کوئی شخص فریقین کے مابین فیصلہ نہ کرے۔

اسی حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ

لا یقضی القاضی بین اثنین و ھو غضبان

قاضی دو افراد میں غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔

علمائے نفسیات کا قول ہے کہ غصہ خون میں حدت کے اضافے سے آتا ہے۔ اور غصہ کی حالت میں حق و باطل کی تمیز مٹ جاتی ہے۔ اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی کو ہدایت کی کہ وہ غصہ کی حالت میں فیصلے صادر نہ کریں۔ کیونکہ اسلامی شریعت کی رو سے حق کو ثابت کرنا ہی قانون کا بنیادی وظیفہ ہے۔ اور اثبات حق کے بغیر قانون کا کوئی مفہوم قائم نہیں ہوتا۔

اسوۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں قاضی کا فرض ہے کہ وہ مقدمہ کی سماعت کے دوران ہمہ تن مقدمہ کی طرف متوجہ رہے، پوری دلجمعی سے فریقین کے دلائل سنے اور ان کا تجزیہ کرے۔ قاضی کو سکون اور اطمینان اسی وقت میسر آئے گا جب اسے مالی، جسمانی اور ذہنی آسودگی حاصل ہو۔ اس باب میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاۃ کو اس رہنمائی سے نوازا ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقضی القاضی الا ھو شبعان و ریان (صحیح مسلم ج ۲ صفحہ 7)

حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قاضی اس وقت فرائض قضاء سرانجام دے جب وہ خوب کھایا پیا اور سیر ہو۔

بھوک اور پریشانی کے عالم میں انسان کی توجہ مقدمے پر مرکوز نہیں رہے

گی۔ جس کی وجہ سے انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوں گے۔ اس لئے رحمت عالم نے بھوک اور پریشانی کے حالات میں فیصلہ صادر کرنے سے منع فرمایا۔ ضمناً اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قاضی کو ضروریات زندگی فراہم کرے تا کہ وہ اپنا فریضہ دلجمعی سے بطریق احسن ادا کر سکے۔

اسلامی نظام قضاء میں گواہوں کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ گواہوں کے بغیر مقدمہ کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی اور نہ ہی جھوٹ سچ الگ ہوتا ہے کیونکہ مدعی ہر بات ثابت کرنا چاہتا ہے جبکہ مدعی علیہ ہر دعوے سے منکر ہوتا ہے۔ ان حالات میں ایسے افراد کی ضرورت ہوتی ہے جو مقدمہ کو صحیح سمت چلائیں اور کھرا کھوٹا الگ کر دکھائیں۔ کیونکہ مدعی کو اپنے دعوے کے ثبوت میں گواہ پیش کرنا ہوتے ہیں' اس لئے اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے قاضی کی ذمہ داری ہے کہ وہ گواہی قبول کرے۔ گواہوں کا تزکیہ کر کے انہیں عدالت میں بیان دینے کی سہولتیں فراہم کرے۔ شخصی شہادتوں کے ساتھ ساتھ قاضی کو چاہئے کہ وہ دلائل' شواہد' براہین اور احوال و کوائف کو بھی بروئے کار لائے۔ اور ان سب امور کی روشنی میں فیصلہ کرے۔ اگر کسی قاضی نے مقدمہ کا فیصلہ کرتے وقت گواہی کے نظام کو پس پشت ڈالا تو وہ نہ صرف حق کو پا سکے گا اور انصاف کرنے سے محروم رہے گا بلکہ وہ قرآن و سنت سے بھی دور ہو جائے گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الا اخبر کم بخیر الشھداء الذی یاتی بشھادتہ قبل ان یسالھا

کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ بہترین گواہ کون ہے؟ بہترین گواہ وہ ہے جو اپنی گواہی سوال کرنے سے پہلے پیش کر دیتا ہے۔ گواہ کا فرض ہے۔ کہ وہ گواہی پیش کرنے کے لئے تیار رہے اور گواہی نہ چھپائے۔ اسی طرح قاضی کا فرض ہے کہ وہ گواہی قبول کرلے۔ اور گواہی دینے کی وجہ سے گواہ کا جن مشکلات یا مصائب کا سامنا ہو۔ ان کا ازالہ کرے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ امر

Marfat.com

عیاں ہوتا ہے کہ انسانیت کے بزرگ ترین فرد ہونے کے باوجود آپ تک ہر شخص کو باآسانی رسائی حاصل تھی۔ اس لئے مسلمان قاضی کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ انصاف قائم کرنے کے لئے ہر وقت مستعد رہے۔ کسی سائل کو حصول انصاف کے لئے اپنے در پر آنے سے نہ روکے اور ہر انصاف طلب کرنے والے کو انصاف کے مساوی مواقع مہیا کرے۔ اس بارے میں مستدرک علی الصحیحین میں ایک حدیث مروی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابی مریم صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من ولی من امر المسلمین شیئا فاحتجب دون خلتھم وحاجتھم وفقرھم وفاقتھم احتجب اللہ عز وجل یوم القیامتہ دون خلتہ وفاقتہ وحاجتہ وفقرہ (الملائک ج 4 صفحہ 94)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابو مریم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کو مسلمانوں کے کسی معاملہ کا والی بنایا گیا اور وہ ان سے چھپ کر ان کی بہی خواہی' ان کی ضروریات ان کی تنگدستی اور ان کے فاقہ سے غافل ہوگیا' تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے چھپ کر اس کی بہی خواہی' اس کی ضروریات' اس کی تنگدستی اور اس کے فاقہ سے منہ پھیرلیں گے۔

اسلام کی رو سے عوام کو انصاف فراہم کرنا اسلامی ریاست کی اولین ذمہ داری ہے۔ اس لئے قاضی پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کی عدالتی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہمہ وقت موجود رہے۔ اس حدیث کی روشنی میں اسلامی حکومت کو چاہئے کہ وہ عدالتوں میں شفٹ کا نظام رائج کرے تاکہ جب بھی ضرورت درپیش ہو جج یا اس کا قائم مقام فرد عدالت میں موجود رہے تاکہ مقدمات کا فیصلہ کرنے میں تاخیر نہ ہو جو ہمارے دور کا سب سے بڑا قانونی المیہ ہے۔ اور جس کی وجہ سے بے شمار مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ جن میں سے حبس بے جا بھی ہے۔

Marfat.com

قاضی کے فرائض میں سے ہے کہ جب اس کی عدالت میں کوئی مقدمہ دائر ہو تو وہ اس کا فیصلہ کرنے کے لئے مناسب تاریخ مقرر کرے اور مقررہ تاریخ کی اطلاع فریقین کو بھی دے۔ قاضی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ ایک فریق کو جب چاہے عدالت میں بلائے اور دوسرے کو اکیلا دوسرے وقت طلب کرے۔ بلکہ فریقین کو وکالتاً" یا اصالتاً" بیک وقت عدالت میں طلب کرے۔ اور جب قاضی فریقین کو طلب کرے تو ان پر واجب ہے کہ وہ عدالت کے روبرو حاضر ہوں۔ اس باب میں بہت سی احادیث ملتی ہیں۔ ایک حدیث مجمع الزوائد میں یوں ہے۔

عن ابی موسی الاشعری ان معاویۃ بن سفیان قال لہ' اما علمت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اختصم عندہ الرجلان فاتعد الموعد (مجمع الزوائد: الھیثمی ج 4 صفحہ 75)

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ بن سفیان نے ان سے کہا کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ آپ کی خدمت میں جب دو آدمی اپنا مقدمہ پیش کرتے تو ان کا مقدمہ نمٹانے کے لئے کوئی تاریخ مقرر ہوتی تھی۔

اس حدیث میں اور امور بھی مذکور ہیں۔ ہم نے وہی حصہ پیش کیا ہے' جس سے مقدمہ کی سماعت کے لئے تاریخ مقرر کرنے کی شہادت ملتی ہے۔ اسی طرح فریقین کی ذمہ داری ہے کہ وہ مقررہ تاریخ پر عدالت میں حاضر ہوں۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان حاکم نے جس شخص کو طلب کیا اور وہ عدالت میں حاضر نہیں ہوا تو ایسا شخص ظالم ہے۔ اسے کوئی حق نہیں ملنا چاہئے۔

(سنن دار قطنی ج 2 صفحہ 515)

رشوت ایک ایسی لعنت ہے جو نظام قضاء کی جڑوں میں سرایت کر چکی ہے اور ترقی پذیر ممالک میں اس کا عام رواج ہو چکا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پہلے رشوت کی برائی سے امت مسلمہ کو متنبہ کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ کا فرمان ہے:

Marfat.com

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعنۃ اللہ علی الراشی والمرتشی فی الحکم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس شخص پر جو فیصلہ کے معاملے میں رشوت لے اور رشوت دے۔

اس حدیث کی روشنی میں قاضی کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ خود بھی رشوت سے پورا پورا اجتناب کرے اور عدالت کے تمام اہل کاروں پر کڑی نظر رکھے کہ وہ بھی رشوت میں ملوث نہ ہوں کیونکہ رشوت کی بے شمار اقسام ہیں۔ جو سب کی سب ممنوع ہیں۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ راشی کسی حالت میں انصاف نہیں کرتا۔ اور اسلامی نظام قضاء کا بنیادی فریضہ انصاف کا قیام ہے اور حقدار کو اس کا جائز اور قانونی حق دلانا ہے۔

قاضی کے فیصلے کا معیار یہ ہے کہ جب اس پر حقیقت حال واضح ہو جائے اور اس کا ضمیر جو فیصلہ کرے وہ کسی دباؤ میں آئے اور کسی کے مرتبہ کا لحاظ کئے بغیر فیصلہ نافذ کر دے۔ لیکن جج کوئی ایسا فیصلہ نہ کرے جس سے کتاب و سنت کی مخالفت عیاں ہو کیونکہ "**لا طاعۃ المخلوق فی معصیۃ الخالق**" اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے مخلوق کو خوش نہیں کیا جا سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب العلاء ابن الحضرمی کو بحرین کا قاضی مقرر فرمایا تو آپ نے اہل بحرین کو ایک طویل خط تحریر فرمایا' جس میں حضرت العلاء ابن الحضرمی کی تقرری کا تفصیل سے ذکر کیا اور اہل بحرین کو تلقین فرمائی کہ وہ اپنے نئے قاضی کی اطاعت کریں لیکن یہ اطاعت غیر مشروط نہیں تھی بلکہ کڑی شرائط سے مشروط تھی۔ چنانچہ آپ نے تحریر فرمایا:

و یحکم بینکم و بین من القی من الناس بما انزل اللہ فی کتابہ من العدل و امر کم بطاعتہ اذا فعل ذلک و قسم بقسط و استرحم فرحم فاسمعوا لہ و اطیعوا و احسنوا (سنن ابو داؤد۔ کتاب القضاء باب الرشوت)

قاضی کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کے جھگڑوں کے فیصلے اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

نازل کردہ کتاب کے مطابق انصاف کے ساتھ کرے' اگر وہ ایسا کرے تو میں تمہیں اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ جب تک وہ انصاف کرتا رہے' جب رحم طلب کیا جائے تو وہ رحم کرے تو اس کی بات سنو' اس کی اطاعت کرو اور اس سے حسن سلوک کرو۔

اس خط کی روشنی میں قاضی کے فرائض میں سے ہے کہ وہ کتاب و سنت کی روشنی میں فیصلہ کرے۔ اور جب تک وہ ایسا کرتا رہے اس کی اطاعت کی جائے اور جب وہ کتاب و سنت کو پس پشت ڈال دے' انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دے اور من مانی پر اتر آئے تو مسلمان بھی اس کی اطاعت نہیں کریں گے۔ اس کی بات نہیں سنیں گے۔ اور اس کے ساتھ حسن سلوک نہیں کریں گے۔ کیونکہ وہ اپنے منصب سے انصاف نہیں کر رہا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کا مرتکب ہو گیا ہے۔

قاضی پر فرض ہے کہ کوئی فیصلہ کرتے وقت کتاب و سنت کے احکام کے مطابق فیصلہ کرے اور ہر ہر قدم پر کتاب و سنت سے رہنمائی حاصل کرے۔ جن امور میں قرآن و سنت خاموش ہوں۔ تو ایسے امور میں اجتہاد سے کام لے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان کو روزانہ نت نئے مسائل اور جدید قسم کے مقدمات کا سامنا ہوتا ہے اور ہر مسئلے اور اس کی جزئیات قرآن و سنت میں مذکور نہیں' اس لئے قاضی کے فرائض میں سے ہے کہ وہ اجتہاد سے کام لے۔ اس باب میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی حدیث سے رہنمائی ملتی ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم بعث معاذا الی الیمن' فقال کیف تقضی؟ فقال اقضی بما فی کتاب اللہ' قال فان لم تکن فی کتاب اللہ قال بسنۃ رسول اللہ ان لم یکن فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم' قال اجتہد برای (ترمذی ج 2 صفحہ 275)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کا قاضی مقرر کر کے بھیجا تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کس طرح فیصلے کیا کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جو کچھ کتاب اللہ میں ہو گا' اس کے

مطابق فیصلے کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ متعلقہ معاملہ کتاب اللہ میں نہ ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق آپ نے پوچھا کہ اگر درپیش مسئلہ سنت میں بھی نہ ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنی رائے اور صوابدید سے اجتہاد کروں گا۔

اس گفتگو سے بہت سے امور واضح ہوتے ہیں۔ ان میں سے بہت اہم بات یہ ہے کہ جب قاضی کو کتاب و سنت سے رہنمائی نہ ملے تو وہ حالات و کوائف کی روشنی میں اجتہاد سے کام لے۔ کیونکہ ان حالات میں اجتہاد کے علاوہ کوئی چارہ کار باقی نہیں ہوتا۔ واضح رہے کہ اجتہاد ایک ایسا عمل ہے جس نے اسلامی قانون کو بہت زیادہ متحرک اور فعال بنا دیا ہے اور اجتہاد کی موجودگی نے اسلامی قانون میں یہ خوبی بھر دی ہے کہ وہ ہر زمان و مکان کے لئے یکساں مفید اور قابل عمل بن گیا ہے۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کتاب و سنت کے احکام تو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں۔ جب کہ اجتہادات کے ذریعے صادر ہونے والے فیصلے انسان کرے گا۔ اور انسان خطاء کا پتلا ہے اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

عن عمرو بن العاص قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا حکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران و اذا حکم فاجتهد فاخطا فله اجر
(سنن ابوداؤد ج 2 صفحہ 127)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو حاکم فیصلہ کرتے وقت اجتہاد سے کام لیتا ہے اور صحیح فیصلہ کرتا ہے' تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر وہ فیصلہ کرتے وقت اجتہاد سے کام لے اور غلطی کر جائے' تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔

قاضی کو غلطی کے ڈر سے اجتہاد سے کنارہ کش نہیں ہونا چاہئے بلکہ اجتہاد سے کام لے کر حق کا متلاشی رہنا چاہئے تاکہ انصاف قائم کر سکے اور انصاف کی

Marfat.com

تلاش میں مسلمانوں کے اقوال و تجربات کے ساتھ غیر مسلموں کے تجربات اور فیصلوں سے بھی استفادہ کر سکتا ہے کیونکہ ترمذی کے باب العلم میں فرمان مصطفوی ہے:

الحکمۃ ضالۃ المومن انی وجدھا فھو احق بھا (ترمذی باب العلم)

دانائی کی بات مسلمان کی گمشدہ پونجی ہے' جہاں بھی اس کو ملے' وہی اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے

اسلام قاضی کو انصاف مہیا کرنے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ قاضی کو اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے وقت کتاب و سنت سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے اور اس کے بعد اجتہاد سے بھی کام لینا چاہئے۔

قاضی کی فرائض سے یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ فریقین کو اپنا موقف بیان کرنے کے پورے پورے مواقع فراہم کئے جاتے ہیں۔ جس سے انسان نفسیاتی طور پر مطمئن ہو جاتا ہے اور اپنا موقف بیان کرنے کے بعد ہر فریق میں ہر طرح کا فیصلہ قبول کرنے کی ہمت اور جرات پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جب فیصلہ انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہو تو اسے نافذ کرنے میں کسی دقت کا سامنا نہیں ہوتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوۂ حسنہ سے مسلمان قاضی کو انہی فرائض کی بجاآوری کی عملی تعلیم دی ہے۔

استحکام معاشرہ کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ادارے نظام عدل کے تحت باقاعدہ قائم فرمائے یا جن کے ابتدائی مگر اصولی خدوخال کا ایک تصور ہیں' آپ کی تعلیمات میں ملتا ہے۔ اس میں قضا کی ذیل میں جو افتاء قضا' شرطہ' احتساب اور نفاذ سزا کے پہلو موجود ہیں۔ ان کا قیام' اسلام کی قانونی روح کے استقرار اور انسداد کے لئے ضروری تھا۔ چنانچہ یہ ادارے مابعد کی اسلامی معاشرت اور تہذیب میں ضروریات زمانہ کے مطابق اپنی واضح اور الگ الگ ہیئتوں میں سامنے آئے اور ان کے اثرات یورپ تک پہنچے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ نفس معاشرہ میں تزکیہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ نظام عدل سے نمو کرتا ہے۔ جنہوں نے قیام عدل اور اجرائے قانون کے لئے ہر قسم کی

Marfat.com

رعایت ختم کر دی۔ مقام عدل اور اجرائے انصاف کے لئے آپؐ نے اپنے سامنے موجود معاشرے کی اچھی روایات میں قرآن کے شاندار تصور قانون اور عدل کو شامل کر دیا اور عدالتی نظام میں ایک جدید صحت مند انقلاب برپا کر دیا۔ آپؐ کے یہ الفاظ اسلام کے نظام عدل کی روشن پیشانی کا چمکتا ہوا زیور ہیں۔ جنہیں امام مسلم نے اپنی الجامع الصحیح کے باب "النہی عن الشفاعتہ فی الحدود" میں نقل کیا ہے۔ فرمایا:

"تم سے پہلے کے لوگوں کا ایک سبب ہلاکت کا یہ تھا کہ جب ان میں سے کوئی ممتاز آدمی چوری کرتا تو اس سے چشم پوشی کر لیتے اور جب کوئی کمزور درجے کا آدمی چوری کرتا تو اس پر سزا نافذ کر دیتے ہیں۔ اپنے بارے میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں گا۔"

امام سرخسی نے اپنی مشہور کتاب المبسوط میں امیر المومنین حضرت عمرؓ کا ایک نہایت اہم خط محفوظ کیا ہے جو آپؓ نے ابو موسیٰ اشعری کو والی بصرہ تعینات فرماتے ہوئے تحریر کروایا تھا۔ یہ خط اسلامی اور نبوی نظام عدل کے اداراتی رویے کا نہایت خوبصورت لب لباب فراہم کرتا ہے اور اس کی بنیاد یکسر اسوۂ رسولؐ پر ہے۔

اس مراسلے پر امام سرخسی نے کتاب سیاست "القضاۃ فی تدبیر الحکم" کا مناسب عنوان جمایا ہے۔ یہ ایک طویل مراسلہ ہے۔ جسے اس کی عدالتی اہمیت کے پیش نظر مشہور مستشرق مارگھ لائتھ نے انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی کتاب عہد نبوی میں نظام حکمرانی میں اس کا خلاصہ درج کیا ہے:-

"قضا ایک خدائی فریضہ ہے اور آنحضرتؐ کا واجب التعمیل طرز عمل ہے۔ اگر تمہارے پاس کوئی مقدمہ پیش ہو تو غور و فکر کے بعد پوری طرح سمجھ کر فیصلہ کرنا اور پھر اس کی تعمیل بھی کرانا۔ بغیر تعمیل کے اچھے

سے اچھا فیصلہ بھی بے کار ہے۔

فریقین سے برابری کا برتاؤ کرنا تاکہ کمزور تمہارے عدل سے مایوس نہ ہو جائے اور طاقت ور ظالم اس سے بے جا فائدہ نہ اٹھائے۔ بار ثبوت مدعی پر ہے اور منکر پر صرف قسم اپنی مرضی کی شرائط پر فریقین صلح کر سکتے ہیں مگر یوں کہ حرام چیز حلال اور حلال چیز حرام نہ ہونے پائے۔

فیصلہ کر چکنے کے بعد نظرثانی میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اصولی بات تو انصاف رسانی اور انصاف ہے۔

اگر کسی بات کے فیصلے میں قرآن و سنت سے کوئی چیز نہ ملے تو اچھی طرح غور و فکر کرو اور نظائر اور مشابہ امور کو تلاش کرو پھر تم ان پر قیاس کر سکتے ہو۔ اگر مدعی کو اپنا حق ثابت کرنے یا شہادت فراہم کرنے میں کچھ مہلت درکار ہو تو اسے دی جائے اگر شہادت سے اپنا دعویٰ ثابت کر دے تو اس کے موافق ورنہ اس کے مخالف فیصلہ صادر کیا جائے۔

شہادت کی غرض کے لئے سب مسلمان قابل اعتماد ہیں سوائے بدچلنی میں سزا یافتہ لوگوں کے یا وہ جن کا جھوٹی گواہی دینا پہلے ثابت ہو چکا ہو۔

کسی مدعی کے رشتے دار کی خاص اس مقدمہ میں شہادت قابل اعتماد نہیں۔ عدالت میں غرور تکبر لوگوں کو جھڑکنا اور حق بات پر ناگواری ظاہر نہ کرنا چاہیے۔ خدا سب دیکھتا اور سنتا ہے سب کو اپنا معاملہ اس سے صاف رکھنا چاہیے۔"

اور عدل و قضاء کے حوالے سے آخری اور قطعی بات وہی ہے جو رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سر عدالت بیان فرمائی اور جسے امام بخاری نے اپنی کتاب الجامع الصحیح میں محفوظ کیا ہے:

"میں بہرحال ایک انسان ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک مقدمہ میرے پاس لاؤ

اور تم میں سے ایک فریق دوسرے کی نسبت زیادہ چرب زبان ہو اور اس کے دلائل سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں مگر یہ سمجھ لو کہ اس طرح اپنے بھائی کے حق میں سے جو چیز تم نے میرے فیصلے کے ذریعے حاصل کی ہے۔ وہ دراصل دوزخ کا ایک ٹکڑا ہے"

Marfat.com

منہاج ہفتم

تربیت اولاد

اولاد کی خواہش ایک بشری اور فطری تقاضا ہے جس کا اظہار روحانیت کی تاریخ میں بہت سے انبیا سے بھی ہوا ہے۔ قرآن مجید میں اس حوالے سے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت زکریاؑ کی دعائیں مذکور ہیں جن میں صالح اور طیب اولاد کی خواہش کی گئی ہے کیونکہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد کے مطابق دراصل ایسی اولاد ہی اپنے مرحوم والدین کے لئے صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن مجید نے اسی لئے اہل ایمان کو یہ سبق دیا ہے کہ وہ ہمیشہ ایسی اولاد کی خواہش کریں جو عملی زندگی میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہو۔ ہر چند کہ اولاد کی خواہش ایک جائز خواہش ہے۔ تاہم یہ خواہش اس غرض کے ساتھ ہونی چاہئے کہ اولاد رضائے الٰہی پر چلنے والی اور ایمان پر قائم رہنے والی ہو۔ ایسی ہو جو خاندانی' معاشری اور ملی سطح پر فلاح و بہبود کے راستے وضع کرنے ہوالی ہو۔ صرف ایسی اولاد کو ہی باقیات الصالحات کہا جاسکتا ہے۔ سورۃ الفرقان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

" والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما

"اور وہ لوگ بھی اللہ کے بندے ہیں جو یہ کہتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی بیویوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہمیں خدا خوف لوگوں کا امام بنا۔"

اس آیت میں دوسری اچھی خواہشات کے علاوہ پرورش اور تربیت اولاد کے حوالے سے والدین کی یہ خواہش خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اولاد کا کردار اور ان

اور تم میں سے ایک فریق دوسرے کی نسبت زیادہ چرب زبان ہو اور اس کے دلائل سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں مگر یہ سمجھ لو کہ اس طرح اپنے بھائی کے حق میں سے جو چیز تم نے میرے فیصلے کے ذریعے حاصل کی ہے۔ وہ دراصل دوزخ کا ایک ٹکڑا ہے"

○

منہاج ہفتم

تربیت اولاد

اولاد کی خواہش ایک بشری اور فطری تقاضا ہے جس کا اظہار روحانیت کی تاریخ میں بہت سے انبیا سے بھی ہوا ہے۔ قرآن مجید میں اس حوالے سے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت زکریاؑ کی دعائیں مذکور ہیں جن میں صالح اور طیب اولاد کی خواہش کی گئی ہے کیونکہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد کے مطابق دراصل ایسی اولاد ہی اپنے مرحوم والدین کے لئے صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن مجید نے اسی لئے اہل ایمان کو یہ سبق دیا ہے کہ وہ ہمیشہ ایسی اولاد کی خواہش کریں جو عملی زندگی میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہو۔ ہرچند کہ اولاد کی خواہش ایک جائز خواہش ہے۔ تاہم یہ خواہش اس غرض کے ساتھ ہونی چاہئے کہ اولاد رضائے الٰہی پر چلنے والی اور ایمان پر قائم رہنے والی ہو۔ ایسی ہو جو خاندانی' معاشری اور ملی سطح پر فلاح و بہبود کے راستے وضع کرنے والی ہو۔ صرف ایسی اولاد کو ہی باقیات الصالحات کہا جاسکتا ہے۔ سورۃ الفرقان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

" والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین وا جعلنا للمتقین اماما

"اور وہ لوگ بھی اللہ کے بندے ہیں جو یہ کہتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی بیویوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہمیں خدا خوف لوگوں کا امام بنا۔"

اس آیت میں دوسری اچھی خواہشات کے علاوہ پرورش اور تربیت اولاد کے حوالے سے والدین کی یہ خواہش خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اولاد کا کردار اور ان

Marfat.com

کے اعمال نہ صرف یہ کہ ایسے ہوں کہ وہ والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں بلکہ ان خوبیوں کے باعث ان کے اندر صحت مند قیادت کے اوصاف بھی پائے جائیں۔ اسلام محض اولاد کی خواہش رکھنے کا قائل نہیں بلکہ اس سلسلے میں وہ والدین کی ایسی خواہش کی تائید کرتا ہے جو مثبت اعتبار سے نتیجہ خیز بھی ہو۔ اگر یہ خواہش صرف اس لئے ہو کہ انسان کا نام و نسب باقی رہے اور وہ مال و اسباب اور جائیداد کی وارث بنے یا محض نام وری اور شہرت حاصل کرنے والی ہو تو اسے تربیت و پرورش اولاد کی کے اعتبار سے ایک ادھوری خواہش کہا جائے گا۔

اولاد کو یہ مقام اس تربیت سے حاصل ہوتا ہے جو والدین اپنا فرض سمجھتے ہوئے اسے دیں۔ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے:

ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ۔ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا (بخاری باب الجنائز)

"ہر بچہ فطرت صحیحہ پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بناتے ہیں اصلی فطرت الٰہی تو وہی ہے جس پر اللہ انسانوں کو پیدا فرماتا ہے۔"

یعنی ہر بچہ فطرت صحیحہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر بنیادی طور پر اس کے والدین کی تربیت ہی اس کی شخصیت کا رخ کردار متعین کرنے کا باعث بنتی ہے۔ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ جب بچہ بالغ ہو جاتا ہے تو والدین اسے گرجا یا مندر میں لے جاکر عیسائی یا ہندو بنا دیتے ہیں بلکہ اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ بچہ ماں باپ کے اعمال کی نقل کرکے اور ان کی باتیں سن کر وہی رویے اختیار کرتا ہے جو اس کے والدین کے ہوتے ہیں۔ کیونکہ بچے میں نقالی کی عادت زیادہ ہوتی ہے۔ اگر ماں باپ اسے اچھی باتیں نہ سکھائیں گے تو لازماً وہ دوسروں کے افعال و کردار کی نقل کرے گا۔ اسی لئے سورۃ تحریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یا ایھا الذین امنو قوا انفسکم و اھلیکم نارا۔

"اے اہل ایمان اپنے اہل و عیال کو بھی اور خود اپنے آپ کو بھی آگ سے بچاؤ۔"

والدین کی اس تربیت سے بچہ ہر حالت میں متاثر ہوتا ہے۔ لہٰذا والدین کی ذمہ

Marfat.com

داری ٹھہرتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو غلط روی سے بچائیں ورنہ اس معاملے میں ▪ اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہیں حدیث ہے کہ

کلکم راع و کلکم مسول عن رعیتہ

"تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کی زیر نگرانی یا زیر کفالت افراد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ بچوں کے دل زمین کی طرح ہوتے ہیں جو بیج ان میں ڈالا جائے گا وہی پھوٹے گا۔ تاریخ کی یہ گواہی محفوظ ہے کہ جن اقوام نے بچوں کی تربیت پر خاص توجہ دی انہیں عروج نصیب ہوا جب کہ اولاد کی پرداخت کو نظر انداز کر دینے والی قومیں زوال پذیر ہو کر رہیں۔ قرآن نسل انسانی کو یہ بات باور کرانا چاہتا ہے کہ اولاد ایک ایسی نعمت ہے جس کی قدر جانی چاہیے۔

واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجا و جعل لکم من ازواجکم بنین و حفدہ و رزقکم من الطیبات افبالباطل یومنون و بنعمتہ اللہ ھم یکفرون (النحل 73)

"اور اللہ نے تمہیں میں سے تمہارے جوڑے بنائے اور پھر ان میں سے تمہارے بیٹے پوتے پیدا کئے تمہیں پاکیزہ رزق عطا کیا۔ پھر بھی یہ لوگ باطل پر اعتماد رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔"

انبیاؑ کے گھروں میں اولاد کی پیدائش کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ حضرت زکریاؑ اور حضرت مریم علیہم السلام کے حوالے سے خوش خبری یا بشارت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور مال کے ساتھ اولاد کو بھی دنیاوی زندگی کا حسن قرار دیا ہے۔

المال والبنون زینۃ الحیوۃ الدنیا۔ (کہف 46)

قرآن نے اولاد کو جسمانی طور پر صحت مند بنانے کے لئے قانون رضاعت یہ کہتے ہوئے نازل فرمایا کہ:

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین (البقرہ 223)

Marfat.com

"اور مائیں اپنی اولاد کو دو برس کامل دودھ پلائیں۔"

قرآن بچے کی صحت کے پیش نظرہاں کے علاوہ بھی کسی صحت مند عورت سے دودھ پلوانے کا مشورہ دیتا ہے تاکہ ایک اچھی نسل پروان چڑھ سکے خواہ اس میں کچھ خرچ کیوں نہ آئے۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سب سے زیادہ ثواب اس رقم پر ہے جو اپنے عیال پر خرچ کی جائے۔"

(ریاض الصالحین _ النوی باب النفقۃ علی العیال)

اولاد کے باب میں تربیت اہم ترین پہلو ہے اور یہ از ابتداء والدین کی توجہ چاہتی ہے اس وجہ میں محبت اور شفقت اہم عناصر ہیں اس لئے کہ وہ تربیت جس کی اساس شفقت اور محبت پر ہوگی اس کے اثرات بھی دور رس اور دیرپا ہوں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے کہ:

من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا۔

"جس نے ہمارے بچوں کے ساتھ شفقت کا سلوک نہ کیا اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راستے میں بچوں کو گود میں اٹھا لیتے' پیار کرتے اور دوران سفر بچوں کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لیا کرتے تھے۔ اپنے نواسوں حسنؓ اور حسینؓ کو اپنے ساتھ لپٹا لیتے' چومتے بلکہ ان کے جسموں کی خوشبو کو سونگھتے انہیں اپنے کندھوں پر بٹھا لیتے مگر تربیت کا سلسلہ ساتھ ساتھ جاری رہتا مثلاً" ایک نشست میں صدقہ کی کھجوروں میں سے حسنؓ نے طفلانہ معصومیت کے ساتھ ایک کھجور اپنے منہ میں ڈال لی تو حضورؐ نے اپنی انگلی ان کے منہ میں ڈال کر اسے یہ کہتے ہوئے نکال دیا کہ بیٹا صدقہ و خیرات بنو ہاشم پر حرام ہے اسے تم نہیں لے سکتے۔ یہ گویا اس بات کی تربیت تھی کہ مستضعفین' غربا اور مساکین کے لئے مختص مال اور اشیاء پر کسی شخص کو قبضہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے نواسی امامہؓ اور بیٹے ابراہیمؑ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد پیار تھا اکثر انہیں تحفہ میں کچھ نہ کچھ ضرور بھجواتے اور ان کی دلچسپیوں اور خواہشات کا احترام فرماتے تھے۔

روحانی اعتبار سے تربیت کا مقصد شخصیت کو توازن اور اعتدال عطا کرنا ہے اور

مربی وہی شخص ہو سکتا ہے جو خود تربیت یافتہ ہو اور جس کی اپنی زندگی اور اپنا روز مرہ اس کے تربیت یافتہ ہونے کی شہادت دیتا ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا ایک رخ ان کا مربی ہونا بھی ہے۔ اپنی اولاد کے لئے بھی اور افراد معاشرہ کے لئے بھی اور آپ کی روز مرہ کی زندگی اس کی بھرپور شہادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر قسم کی اولاد عطا فرمائی۔ بیٹیاں اور بیٹے دونوں' چنانچہ آپ کا اپنی اولاد سے عدیم النظیر سلوک رہا_ اور جو تربیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد کی فرمائی اس سے تربیت اولاد کے شاندار رہنما اصول اخذ ہوتے ہیں۔ اولین سیرت نگار ابن اسحٰق نے روایت بیان کی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا تو رخصت کرتے ہوئے انہیں ان الفاظ میں نصیحت فرمائی۔

"اے پیاری بیٹی اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی خواہش کی تکمیل نہ کرے تو اس کے خاوند کا چہرہ غصہ سے متغیر ہو جائے گا' خواہ خاوند نے اپنی بیوی کو کیسا ہی غیر معقول حکم دیا ہو کہ وہ سیاہ پہاڑ سے سرخ پہاڑ تک جائے یا سرخ پہاڑ سے سیاہ پہاڑ کی طرف جائے۔ اس لئے تمہاری یہ خواہش ہونی چاہئے کہ تم اپنے حسن سلوک سے اپنے شوہر کو راضی اور خوش رکھو۔

(سیرت محمد ابن اسحٰق باب 38 نقوش جلد 11 صفحہ 272)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تربیتی سلوک دوسروں کی اولاد یہاں تک غیر مسلم سے بھی غیر معمولی تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ان کی والدہ ان کے بہت بچپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خدمت اور تربیت کے لئے چھوڑ گئی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے جو خصوصی تربیت حاصل کی اس کا اپنی طویل عمر میں ہمیشہ اظہار کیا۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے کمال درجہ کی تربیت پائی یہی کیفیت ان کے بیٹے اسامہ رضی اللہ عنہ کی تھی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اولاد کی طرح عزیز تھے اور جن میں کم عمری ہی میں جرات کردار محض عطائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔ اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ آپ نے یہودی اور غیر مسلم بچوں کی بیماری میں بھی ان کی خصوصی عیادت فرمائی جس کے نتائج نہایت

Marfat.com

عمدہ برآمد ہوئے اور معاشرے میں بچوں کو نفسیاتی بنیادوں پر تربیت کا یہ معیار آپ نے قائم فرمایا کہ کبھی راہ سے گزرتے اور بچے کھیل رہے ہوتے تو رک کر خود ان کو سلام کہتے۔

قرآن بچوں کی غلط روی کو بھی قتل اولاد سے تعبیر کرتا ہے اور اسے تہذیبی اور معاشرتی اجتماعی نقصان قرار دیتا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے

قد خسر الذین قتلوا اولادھم سفھا بغیر علم (الانعام_ 140)

"جن لوگوں نے اپنی اولاد کو نادانی اور لاعلمی میں قتل کردیا وہ بہت نقصان میں ہیں۔"

اس آیت میں قتل اولاد کے مفہوم میں ناقص پرورش اور غلط تربیت شامل ہے جو اگر پوری نسل پر پھیل جائے اور والدین اس سے صریحا" اغماض برتیں تو خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمر بھر کا یہ معمول رہا کہ مردوں اور عورتوں سے بیعت لیتے وقت ان سے یہ بھی وعدہ کرلیا کرتے تھے کہ وہ اپنی اولادوں کو قتل نہیں کریں گے۔ ماں کی تربیت چونکہ اس باب میں ایک خاص مفہوم اور درجہ رکھتی ہے اس لئے قرآن نے اس حلف برداری کو ماؤں کے حوالے سے محفوظ کیا ہے۔

ولا یقتلن اولادھن (الممتحنہ 12)

"اور وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔"

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انسان کا اپنی اولاد کو آداب سکھانا برتن بھر کر صدقہ دینے سے بہتر ہے۔"

(مشکوا المصابیح باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

تربیت اولاد کے بارے میں قرآن مجید کا رویہ اور موقف ایک ایسی وسعت نظری پر مبنی ہے جو عہد حاضر کے غیر مسلم ماہرین تعلیم کے نظریات سے استفادہ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مصداق کہ حکمت و دانش تو مومن کی اپنی گمشدہ چیز ہوتی ہے۔ دنیا بھر کے صحت مند علوم سے

Marfat.com

مستفید ہونا مسلمانوں کے لئے لازم ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ روح قرآن نے اس بات میں کوئی عار نہیں جانا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے صدیوں پہلے نوبیہ یا مصر کے حبشی معلم اخلاق اور مصلح قوم لقمان کی پیغمبرانہ مزاج کی تربیتی تعلیمات کو قرآنی تعلیمات کا مستقل حصہ بنا دیا جائے۔ قرآن نے بطور خاص لقمان کی ان اخلاقی اور تربیتی تعلیمات کا ذکر ہے جو انہوں نے زمانہ قدیم میں اپنے بیٹے کے لئے ارشاد فرمائیں اور جن کی اہمیت اپنے احیائی اظہار کے ساتھ عہد رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آنے والی مسلمان نسلوں کے لئے تاقیامت مسلمہ ہے تربیت اولاد کے لئے لقمان کے وضع کردہ ان قدیم اصولوں کے قرآن میں ذکر کئے جانے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ تربیتی اخلاقیات دنیا میں کہیں بھی اور کسی بھی عہد میں چاہے کسی کی طرف سے بھی پیش کی جائیں، اسلام نہ صرف ان کا موید ہے بلکہ ان کی وسیع تر معاشری اہمیت کو تسلیم کرتا ہے بشرطیکہ ان تربیتی اصولوں کا واسطہ ایسے اخلاق فاضلہ سے ہو جن سے علی العموم فلاح انسانی وابستہ ہو۔ قرآن میں لقمان کی زبان سے اولاد کے لئے چند اخلاق فاضلہ کا ذکر کرکے گویا یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالی دنیا کے کسی خطے کو اخلاق فاضلہ سے محروم نہیں رکھتا اور کسی بھی معاشری ہیت میں نژاد نو یا اولاد کی تربیت ہی دراصل قومی ترقی اور سلامتی کی ضمانت ہوتی ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا۔

و اذ قال لقمن لا بنہ و ھو یعظہ ببنی لا تشر ک با للہ ان الشر ک لظلم عظیم ○ و و صینا الا نسان بو الو یہ _ حملتہ امہ و ھنا علی و ھن و فصا لہ فی عا مین ان اشکر لی و لو الدیک الی المصیر ہ و ان جا ھد ک لی ان تشر ک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما و صا حبھما ن فی الدنیا معر و فا و اتع سبیل من ا نا ب الی ثم ا نی مر جعکم فا نبکم بما عنتم تعملو ن ببنی انھا ا ن تک مثقا ل حبتہ من خو دل فتکن فی صخر ا او فی السموت او فی الا ر ض یات بھا اللہ _ ا ن اللہ لطیف خبیر ہ ببنی ا قم الصلو ا و امر با لمعر و ف و انہ عن المنکر و ا صبر علی ما ا صا بک ان ذلک من عزم الا مو ر ○ و لا تصعر خد ک للنا س و لا تمش فی الا ر ض مر حا ان اللہ لا یحب کل فی مشیک و ا غضض من صو تک

Marfat.com

ان انکر الاصوات لصوت الحمیر ○

(سورۃ لقمان)

اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا "بیٹا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا کیونکہ شرک تو ناانصافی ہے۔" اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے بارے میں احسان کرنے کی تاکید کی کیونکہ اس کی ماں نے اسے کمزوری کے ایک دور سے کمزوری کے دوسرے دور اٹھائے رکھا۔ اس کا دودھ چھڑوانا دو سال کے عرصہ میں تھا۔ انسان یاد رکھے کہ اسے میری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اگر وہ دونوں تجھ سے بحث کریں کہ تو کسی کو میرا شریک ٹھہرائے جس کا تجھے کوئی علم بھی نہیں تو ان دونوں کی بات مت مان۔ دنیاوی معاملات میں ان کے ساتھ نیک تعلق قائم رکھ اور اس کے پیچھے چل جو میری عظمت ہے اور تم سب کا لوٹنا میری طرف ہو گا تب میں تمہیں تمہارے عمل سے خبردار کروں گا۔ اے میرے بیٹے! اگر وہ عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہو۔ پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا آسمان میں ہو یا زمین میں اللہ اسے لائے گا۔ اللہ باریکیوں سے واقف اور خبردار ہے۔ اے میرے بیٹے نماز قائم کر اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روک اور جو تکلیف تجھے پہنچے اس پر صبر کر اور یہ ہے بہت ہمت والے کاموں میں سے۔ اور لوگوں سے بے رخی نہ کرنا' نہ دھرتی پر اکڑتا ہوا چل اللہ شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا۔ اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز دھیمی رکھ۔ بے شک گدھے کی آواز سب آوازوں سے بری ہے۔

یہ آیات ایک غیر عرب افریقی دانش ور اور مصلح لقمان کی زبان سے تربیت اولاد کے دس اصول پیش کرتی ہیں۔ اور نبی اکرام صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی ان کے مصدق ہے یہ دس اصول یوں ہیں۔

1- ابتداء ہی سے اولاد کے سامنے ان کی صحیح ذہنی تربیت کے لئے یہ بات پیش کی جاتی رہے کہ اقتدار اعلیٰ اور ہر طرح کی قوتیں صرف ذات واحد لاشریک کے پاس ہیں۔ چنانچہ انسان کو جیتے جی اس تک پہنچنے کے لئے کوشش کرنا ہے اور ہر اس خیال اور فعل کو ترک کرنا ہے جو اللہ کے سوا یہ اقتدار اور طاقت کسی بھی دوسرے کی طرف منتقل کرنے کا باعث بنتا ہو۔ یہی شرک ہے اور انسان کا اپنی اولاد کے لئے پہلا

تربیتی سبق یہی ہے کہ شرک خواہ وہ کسی قسم کا بھی ہو توحید سے تعلق کے منافی ہے توحید روشنیوں کی اور اجالوں کی سوچ ہے جب کہ شرک محض اندھیروں کی راہ اور ظلمتوں کا سایہ۔ چنانچہ روشنیوں کی راہ اختیار کرنے کی طرف اکسانا تربیت اولاد کا پہلا اصول ہے۔

2- توحید اجالوں کی سوچ ہونے کے باعث ایک مثبت انداز ہے۔ ایسا انداز فکر عطا کرنے والی ہستی کی شکر گزاری کا ڈھب سکھانا بھی تربیت اولاد میں شامل ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرنا اس کی ایک واضح مشکل ہے۔ مؤحد انسان زندگی کے کسی دور میں بھی ناشکرا نہیں ہوتا۔ لقمان نے اپنے بیٹے کو یہ تعلیم دی کہ خوشحالی ہو یا تنگی' صحت ہو یا بیماری' شہرت ہو یا گمنامی' عالم اقتدار و اختیار ہو یا عالم بے بسی' ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کیاجائے کہ بندگی کا یہی تقاضا ہے۔ اور یہ وصف اولاد اللہ کاشکر ادا کرکے سیکھ سکتی ہے۔ شکرگزاری کا رویہ اپنا کر انسان اپنی آئندہ زندگی میں زیادہ سے زیادہ اللہ کا فضل و کرم حاصل کرے گا۔ جب کہ اس کے برعکس اس کی نعمتوں کے انکار کا رویہ اسے اللہ کی نعمتوں سے محروم کردیتا ہے جیسا کہ قرآن کہتا ہے کہ:

لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید○

"اگر تم نے شکر گزاری کی تو ہم تمہیں زیادہ عطا کریں گے لیکن اگر تم نے ناشکری کی پھر بے شک ہماری سزا بہت سخت ہے۔"

3- لقمان کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تربیت اولاد کا تیسرا اصول والدین کی اطاعت قرار دیا ہے۔ والدین اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت اور صفت رحیمیت کا مظہر ہیں۔ وہ جو کچھ بھی اپنی اولاد کی فلاح اور بہترین کے لئے کرتے ہیں اس کا مقصد کسی صلے یا معاوضے کا حصول نہیں ہوتا۔ اولاد پر ان کا یہ لطف و احسان طبعی اور فطری ہوتا ہے اس لئے اولاد کے دلوں میں والدین کے لئے جذبہ خدمت اور احسان مندی کا پیدا ہونا ضروری ہے' جس کے اظہار کے لئے اولاد کو اطاعت گزار اور فرماں براور ہونا چاہئے جو خود اولاد کے لئے اطمینان قلب کے حصول کا ذریعہ بھی ہے وہ اولاد سکون خاطر سے محروم رہتی ہے جو والدین کی خدمت اور اطاعت سے

Marfat.com

گریزاں ہو۔ قرآن اولاد کو والدین حق میں جگہ جگہ دعائے خیر کرنے کے لئے مناسب الفاظ عطا کرتا ہے۔

رب اغفرلی ولوالدی رب ارحمھما کما ربینی صغیرا

"اے میرے پروردگار مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور میرے پروردگار! ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔"

پھر واضح لفظوں میں قرآن اولاد کو احترام والدین کی تعلیم ان لفظوں میں دیتا ہے۔

فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما

"پس نہ انہیں اف کہو اور نہ جھڑکو۔"

وہ اولاد جو عمداً والدین سے گریز کرتی ہے اس کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

رغم انفہ (قال ثلاثا) من ادرک والدیہ عند الکبر احدھما او کلاھما ثم لم یدخل الجنۃ (مسلم)

"اس شخص کی ناک کٹ گئی جس نے والدین میں سے ایک یا دونوں کو بڑھاپے میں پایا اور پھر بھی جنت میں داخل نہ ہو سکا۔"

دنیاوی اطاعتوں اور خدمات کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم اور مشرک یا کافر والدین میں کوئی تفریق نہیں فرمائی۔ ان میں سب کا احترام مساوی ہے۔ ہجرت مدینہ کے بعد جب حضرت اسماءؓ کو ان کی والدہ ملنے کے لئے مدینہ آئیں اور اس وقت تک وہ ایمان نہیں لائیں تھیں تو اسماءؓ گھبرائی ہوئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا کہ حضور میری ماں مشرک ہے اور وہ مکہ سے مجھے ملنے میرے گھر آگئی ہے۔ میں پوچھنے آئی ہوں کہ کیا مجھے اس کا احترام کرنا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں۔ بے شک وہ تمہاری ماں تو ہے۔

مشہور نیک اور زاہد انسان اویس قرنیؒ کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع تھی کہ وہ اپنی والدہ کی خدمت میں مصروف ہیں اور یمن سے مدینہ نہیں آسکتے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یمن کی جانب منہ کرکے فرمایا کرتے

Marfat.com

تھے کہ مجھے یمن کی جانب سے اللہ تعالیٰ کی خوشبو آتی ہے۔ فرماتے اویسؓ اپنی ماں کی خدمت میں مصروف رہتا ہے اوراس وجہ سے میرے پاس آنے سے معذور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کو ماؤں کے قدموں یعنی خدمت کے نتیجے میں ملنے والی نعمت بتایا۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیامہ انا و ھو ھکذا و ضم اصابعہ (مسلم)

:جس نے دو لڑکیوں کی ان کے بالغ ہونے تک پرورش کی وہ اور میں قیامت کے روز یوں آئیں گے پھر آپ نے اپنی انگلیوں کو ملایا۔"

اور ابن عباس رضی اللہ عنہا کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من کانت لہ انثی فلم یئد و لم یھنھا و لم یو ثر ولدہ الیھا یعنی الذکور ادخلہ اللہ الجنہ (سنن ابی داؤد)

"جس کسی کی کوئی بہن یا بیٹی ہو اور ▪ زندہ درگور نہ کرے اور اس کی توہین نہ کرے اوراپنے بیٹے کواس تر ترجیح نہ دے اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔"

اولاد سے سلوک کے معاملے میں چھوٹے بڑے یا لڑکی اور لڑکے میں تمیز کرنابچوں میں نفسیاتی مسائل پیدا کردیتا ہے۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے والد بشیر مجھے اپنے ساتھ لئے ہوئے رسول اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یارسولؐ میرے پاس ایک غلام تھا جو میں نے اس لڑکے کو دے دیاں آپ نے پوچھا کیا اپنے سب لڑکوں کو دیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس غلام کو واپس لے لے۔ یا یہ فرمایا کہ کیا تونے اپنے سارے لڑکوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا ہے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا "اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان مساوات اور برابری کا معاملہ کرو۔" میرے والد گھر آئے اور انہوں نے واپس لے لیا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تمہارے سب لڑکے تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں؟" والد نے کہا جی ہاں! فرمایا پھر ایسا کرو۔

مشکوۃ کے باب الشفقتہ والرحمتہ علی الخلق صفحہ 421 پر ایک واقعہ حضرت عائشہ کی زبان سے درج ہے ایک عورت اپنی دو بچیوں کے ساتھ ان کے دروازے پر آئی اور کھانے کو کچھ مانگا۔ اتفاق سے ایک کھجور کے سوا اس وقت گھر میں کچھ بھی نہ تھا۔ آپ نے وہی اسے دے دی۔ اس عورت نے اس کے دو ٹکڑے کر کے دونوں بچیوں میں تقسیم کردیا۔ خود کچھ نہ کھایا اور چلی گئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو یہ سارا واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے انہیں سنایا۔ فرمایا جس کو اللہ تعالیٰ اولاد کی محبت میں ڈالے اور وہ ان کا حق ادا کرے تو دوزخ کی آگ سے بچ جائے گا۔ اولاد یا چھوٹے بہن بھائیوں کے لئے بعض اوقات یہ سوچ کر اپنی خواہشات کی قربانی بھی دینا پڑتی ہے کہ کہیں نظر انداز ہو کر احساس کمتری کا شکار نہ ہو جائیں یا غلط انداز نہ بن جائیں۔

مشہور صحابی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد بہت چھوٹی عمر کی اولاد چھوڑ کر فوت ہو گئیں جابر نے اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی اچھی تربیت کے خیال سے ایک ثیبہ یعنی پختہ عمر کی عورت سے شادی کرلی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو فرمایا میاں کسی کنواری عورت سے شادی کیوں نہ کی کہ تم اپنے چاؤ تو پورے کرتے' انہوں نے کہا یارسول اللہ والدین فوت ہوگئے اور میری بہنیں بہت چھوٹی ہیں اگر میں کسی کم عمر کی دوشیزہ سے شادی کرلیتا تو وہ نہ انہیں ادب سکھاتی نہ ان کی مناسب خیر گیری کرتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس جذبہ سے بے حد خوش ہوئے اور فرمایا! تم نے درست کیا۔

4- یہ بات تربیت اولاد میں شامل ہے کہ والدین اپنی اولاد کو نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے اور بری صحبت سے بچنا سکھائیں۔ جیسے لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کے رنگ میں سمجھایا اور سکھایا کہ اس انسان کے پیچھے چلو جو اللہ کے سامنے جھکتا ہے۔ قرآن ایسی مثالی شخصیتوں کو صالحین اور صادقین کا نام دیتا ہے اور کہتا ہے!

کونو مع الصادقین۔

یہی وہ مثالی طبقہ ہے جس کے کردار کی مثبت مقناطیسی کشش انسانوں کے اندر مثبت قوت عمل اور مثالی کردار پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔ ایسے باکمال انسانوں کے

ساتھ نشست اور مجلس اختیار کرنا دلوں کو روشنی عطا کرنے کی ایک صورت ہے۔ ان کے نفوس ذکیہ کی قوت قدسیہ اولادوں کے لئے باعث فلاح دینی و دنیاوی ہے۔

5- تربیت اولاد کا پانچواں اصول سورہ لقمان میں قیام صلوۃ ہے۔ یعنی اپنی اولاد کو عبادات کی ادائیگی میں دوام اختیار کرنا سکھایا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوۃ کو مخ العبادۃ یا عبادت کا مغز قرار دیا ہے۔ جیسے جسمانی صحت کے لئے ہڈیوں میں مغز کی موجودگی تسلیم شدہ حقیقت ہے ویسے ہی روحانی صحت کے لئے اظہار بندگی جو نماز یا صلوۃ کی شکل میں کیا جائے از بس ضروری ہے۔ اس کی وجہ قرآن مجید نے یہ کہتے ہوئے بیان کی ہے کہ

ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء و المنکر و البغی یعظکم لعلکم تذکرون

"بے شک نماز یا عبادت تمہیں فحاشی اور منکرات اور سرکشی سے روکتی ہے۔"

احادیث میں یہ بات مذکور ہے کہ بچے کو سات برس کی عمر میں ادائیگی صلوۃ یعنی نماز اور دعا کی طرف راغب کرنا شروع کر دینا چاہیے۔ بلکہ آگے چل کر اس ادائے فرض میں غفلت پر کچھ تادیب بھی کر دی جائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی تربیت اولاد کا ایک حصہ شمار فرمایا ہے۔ نماز ادب اور خاکساری سکھانے کا ایک ذریعہ ہے اور بندگی کرنے کا یہ وہ رویہ ہے جو انسانوں اور اللہ تعالیٰ دونوں کے قریب تر کر دیتا ہے۔

6- اولاد کی تربیت کچھ اس انداز میں بھی کی جائے کہ وہ نیکی سے آشنا ہو کر نیک کاموں کا دوسروں کو بھی مشورہ دے سکے۔ اور جہاں برائی سے خود بچے وہاں دوسروں کو بھی برائی سے روکے یہ بیک وقت تلقین اور خود احتسابی کا عمل ہے تربیت کا یہ پہلو مثبت جدوجہد کا ایک خوبصورت تسلسل ہے۔ نقالی جو فطرت انسانی ہے اور جس کا زیادہ اظہار بچپن میں ہوتا ہے یہ اس کی ایک مثبت CHANNALIZATION ہے۔ قرآن جس لائحہ عمل کو فاستبقو الخیرات کہتا ہے' وہی دوسرے الفاظ میں نژاد نو کے لئے سیکھو اور سکھاؤ کے معنی اپنے اندر رکھتا ہے۔

7- اولاد کے مزاج میں ہمت' حوصلہ اور ثابت قدمی پیدا کرنا بھی قرآن کے تجویز کردہ تربیتی اصولوں میں سے ایک ہے۔ یعنی اولاد کے اندر ایسا جذبہ پیدا کرنے کی

Marfat.com

کوشش کرنا کہ ▪ جس منزل کو اپنائے اور سامنے رکھے اس کی خاطر کمر ہمت یوں باندھ لے اور معاملے کو راستے میں نہ چھوڑے۔ قرآن اسے **من عزم الامور** قرار دیتا ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ کسی بھی قسم کا انقلاب پرعزم رویے کے بغیر برپا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کو صبرو استقلال کی تعلیم و تربیت بھی کہا جاسکتا ہے جس کے بغیر زندگی کے میدان میں انفرادی اور قومی ترقی ممکن ہی نہیں۔

8- رفاہ عامہ کے کاموں میں حصہ لینا خواہ وہ کتنا ہی چھوٹے سے چھوٹا کام کیوں نہ ہو۔ یہ ▪ آٹھواں رویہ ہے جیسے قرآن برنگ تربیت اپنانے کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ قرآن نے رائی کے دانے کے برابر عمل خیر کے لئے بھی اولاد کی تربیت کرنا سکھایا ہے کہ خیر اور فلاح عامہ کے کاموں کے پھیلاؤ اور عمل کے وقار (DIGNITY OF LABOUR) کے اظہار کے لئے (TEMPOTATION) ترغیب دلائی جائے اور اولادوں کو اس کے لئے تیار کیا جائے۔ یہی نہیں بلکہ انہیں یہ باور کرایا جائے کہ ایسا چھوٹے سے چھوٹا کام بھی حصول رضائے الٰہی کا ذریعہ بن جایا کرتا ہے جو آگے چل کر معاشری امن اور قومی ترقی کا ذریعہ ٹھہرتا ہے۔

9- اولاد کی اس رخ پر تربیت کرنا بھی لقمان کی تعلیمات کا مقصود ہے اور خود قرآن کا منشاء ہے کہ بچپن سے ہی ان کے اندر استکبار' غرور اور منفی ذہنیت کو پیدا نہ ہونے دیا جائے۔ اس کی بجائے وہ متواضع' خلیق' ملنسار اور منکسرالمزاج بنیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے مجھے سب سے پیارا اور عزیز وہ ہے جو تم میں سب سے بڑھ کر با اخلاق ہے۔

خیر کم خیر کم احسنکم اخلا قا

یہ بات اس لئے بھی ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اصل غرض و غایت انسانوں میں استکمال اخلاق پیدا کرنا ہی ہے خود پرستانہ رویہ دوسروں کے جذبات کو ہمیشہ پامال کردیتا ہے۔ تکبر رفتہ رفتہ انسانی شخصیت ہی کو ختم کردیتا ہے بلکہ یوں جیسے حدیث کے الفاظ میں گھن لکڑی کو کھا جاتا ہے۔ تواضع (COURTESY) تکبر کی ضد ہے۔ اولاد کی تربیت تواضع کے خطوط پر کرنا سکھائی گئی ہے۔ اکڑ اکڑ کر چلنا' دوسروں بالخصوص غریب طبقے (DOWN TRODEN) کو اور نچلی معاشری اور اقتصادی

Marfat.com

سطح پر رہنے والے لوگوں کو دیکھ کر منہ پھیر لینا یا منہ پھلا لینا۔ نوکر چاکر اور ماتحت سے متکبرانہ لہجے میں گفتگو کرنا غیرانسانی اور غیراسلامی رویہ ہے۔ جس اولاد کو بچپن ہی سے غرور اور تکبر سے بچنا سکھایا جائے گا وہ عمر بھر کامیاب انسانوں کی سی زندگی بسر کرے گی۔ حدیث ہے کہ جو دوسروں پر رحم کرنا نہیں جانتا۔ ▪ خود بھی اللہ کے رحم سے محروم رہتا ہے۔

من لا یرحم لا یرحم (بخاری)

مختال اور فخور یعنی شیخی باز اور مغرور بچے بڑے ہو کر کبھی کامیاب انسان نہیں بن سکتے اس لئے زندگی کی کسی سطح پر بھی اچھی لین دین (DEALINGS) نہیں کر پاتے۔ ایسے افراد معاشرہ سے نہ لوگ محبت کرتے ہیں نہ خدا تعالٰی۔

10- لقمان کے انداز تربیت میں آخری چیز میانہ روی قرار دی گئی ہے یعنی اولاد کو یہ سکھایا جائے کہ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے ایک درمیانی راستہ اختیار کرنے کے لئے متوازن زندگی کیوں کر بسر کی جائے۔ قرآن کی تعلیمات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ اس بات کے گواہ ہیں کہ اسلام انتہاؤں کو اختیار کرنے کا فلسفہ نہیں ہے۔ اسلام خود نظریہ حیات (IDEOLOGY) اور ایک فلسفہ عمل کے اعتبار سے اعتدال کی راہ ہے۔ موعظت لقمان میں اولاد کو رفتار میں میانہ روی اختیار کرنے کی جو تربیت و تعلیم دی جارہی ہے اس سے مراد عملی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں بے شمار انسانی رویے ہیں۔ لہجے کا دھیما پن بھی انہی میں سے ایک ہے اور حقیقت یہ ہے کہ زندگی کے ایک پہلو میں ٹھہراؤ اور دھیرج اور سلیقہ پوری زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

قرآن مجید نے ایک عجمی بزرگ کے حوالے سے اصلاح ▪ تربیت کے جو مثبت اصول محفوظ یا تجویز کئے ہیں وہ گویا دائمی ہیں اور ہر جغرافیائی' نسلی اور زمانی حدود میں یکساں طور پر موثر ثابت ہوتے ہیں اور اولاد آدم کو زندگی کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کی ہمت عطا کرتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی زندگی بھی جسے قرآن اسوہ حسنہ کا نام دیتا ہے۔ تربیت اولاد کے سلسلہ میں انسانیت کو بہت سے رہنما اصول دیتی ہے۔ علامہ

جلال الدین السیوطی کے مجموعہ احادیث الجامع الصغیر میں ایسی بہت سی احادیث ہیں جن سے تربیت اولاد کا ایک خوبصورت اور قابل عمل ضابطہ کار مرتب ہو جاتا ہے بعض ارشادات نبوی یوں ہیں۔

حق الولد علی والدہ ان یحسن اسمہ و یحسن وضعہ و یحسن ادبہ

(الجامع الصغیر جزء اول صفحہ 148)

"اولاد کا حق اپنے باپ پر یہ ہے کہ وہ اس کا خوبصورت (بامعنی) نام رکھے' اس کی رہائش عمدہ بنائے اور اسے اچھے اور پسندیدہ آداب سکھائے۔"

اولاد کے اچھے اور بامعنی نام رکھنا ذہنی اور نفسیاتی طور پر بے شک اولاد پر اچھا اثر ڈالتا ہے۔ اور نام کی لاج رکھنے کا ایک مثبت جذبہ بھی ابھرتا ہے۔ اسی طرح اچھے ماحول اور عمدہ قیام گاہوں سے بھی بچے سلیقہ' نفاست اور حسن ذوق سیکھتے ہیں اور ان کے اندر ایک خود اعتمادی (SELF - CONFIDENCE) پیدا ہوتی ہے۔ اچھے عادات و اطوار اور آداب نشست و برخاست (ETIQUETTES) سے اپنی اولاد کو مرصع کرنا بھی والدین کے فرائض میں شامل ہے۔ معیاری مسلم معاشرے کی داغ بیل ایسی ہی چیزوں سے پڑتی ہے۔

ادبوا اولادکم علی ثلاث خصال حب نبیکم و حب اهل بیته و قراه القرن (ایضا صفحہ 13)

اپنی اولاد کو ایسے رنگ میں رنگین کرو کہ تین خوبیاں بطور علامت اور خصلت کے ان میں رائج ہو جائیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اہل بیت اور قرآن مجید کا پڑھنا۔

گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک آپ کے اہل بیت اطہار اور قرآن مجید کے قرینے سکھانا بھی تربیت اولاد میں شامل ہے اور یہ مسلم تہذیبی اور ثقافتی اظہارات کا ایک حصہ بھی ہے۔ فرمایا:

اعینوا اولادکم علی البر (ایضا صفحہ 48) "نیکی کے کاموں میں اپنی اولاد کی معاونت کرو۔"

قومی زندگی میں صحت مند انقلاب پیدا کرنا والی تحریکیں قومی شعور کا حصہ ہوتی

Marfat.com

ہیں ان میں نوجوان نسل کا حصہ لینا اور والدین کا اپنی اولاد پر ان مثبت تحریکوں کی اہمیت کو واضح کرنا فرض بن جاتا ہے تاکہ اولاد غلط روی کا شکار ہونے کی بجائے درست راہ پر چل کر ملی انقلاب کا حصہ بن سکے' مثلاً" تحریک خواندگی' تحریک صفائی' تحریک آزادی تحریک شجرکاری وغیرہ ایسی تحریکوں میں حوصلہ افزائی اولاد میں اتحاد پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔ بچپن میں اور عمر کے جذباتی موڑ پر جو چیز بھی سکھائی جاتی ہے یا اولاد خود سیکھتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں وہ نقش کالحجر ہوجاتی ہے فرمایا:

مثل الذی یتعلم فی الصغر کالنقش علی الحجر ۔ (ایضا جزو دوم صفحہ 15)

حسنؓ بہت چھوٹے تھے' ایک روز اپنے نانا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نصیحت فرمائی

کل بیمنک و کل مما یلیک "اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔"

حسنؓ کہتے ہیں میں ساری عمر اس نصیحت کو نہیں بھول سکا۔ سنن ابی داؤد میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے لئے بطور ہدایت کے فرمایا: "بچے دس سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں الگ الگ بستر پر سلاؤ۔"

اولاد کی شخصیت کو ذہنی اور جسمانی اعتبار سے نکھارنے کا ایک طریقہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سکھایا ہے کہ بچے کو سوال کرنے کا موقع دیا جائے اس سے تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات مہیا کی جاسکتی ہیں اور بچوں کی ذہنی تربیت کا مواد آسانی سے مہیا ہو جاتا ہے۔ بخاری باب الفہم العلم میں ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں سے QUIZ کے انداز میں سوالات پوچھے ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ وہ کون سا درخت ہے' جسے اپنے اوصاف کے اعتبار سے مسلمان سے تشبیہ دی جاسکتی ہے؟ عبداللہ بن عمرؓ بہت چھوٹے بچے تھے مگر وہ بات کو پا گئے کہ یہ درخت کھجور کا ہے' جس کی ہر چیز کار آمد ہے۔ پھل' پتے' لکڑی' چھال گٹھلی غرض ہر چیز نفع بخش ہے۔ عبد اللہؓ کہتے ہیں میں سب بچوں میں چھوٹا تھا اس لئے چپکا ہو رہا۔ گھر آکر اپنے والد محترم حضرت عمرؓ کو ساری بات بتائی۔ انہوں نے

Marfat.com

فرمایا: "عبد اللہ! اگر تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جواب دے دیتے تو مجھے کتنی خوشی ہوتی۔"

نیک طبع والدین اپنے بچوں کو یوں تربیت کریں کہ وہ ان سے مشابہت اختیار کریں۔ حضورؐ نے اسے بھی والدین کے لئے ایک نعمت قرار دیا ہے۔

ان من نعمۃ اللہ علی عبدہ ان یشبھہ والدہ (ایضا جز اول صفحہ 99)

اولاد کی اپنے والدین کے ساتھ مشابہت تربیت کے نتیجہ میں صحت اور جسم کی بھی ہوسکتی ہے اور علم اور ذہنی صلاحیتوں کی بھی۔ یہ ایک ایسا انعام ہے جسے والدین کو اپنی غفلت' سستی اور کوتاہی سے کسی عذاب میں نہیں بدل دینا چاہئے۔ اولاد کو گالی دینا یا اس سے ناروا سلوک کرنا یا جیسے عرب کے بعض قبائل میں رائج واد البنات کی رسم کو تازہ کرنا جس کی صورت عملاً" زندہ گاڑ دینا یا بچیوں کو جاہل رکھنا یا انہیں غلط خاوندوں کے ساتھ بے سوچے رخصت کردینا یا انہیں فروخت کردینا ان ساری باتوں سے والدین کا بچنا بے حد ضروری ہے اولاد کے ساتھ گالی گلوچ کا منفی انداز روا رکھنا بچے کے اندر بھی والدین سے مشابہت پیدا کرنے کا سبب بن سکتا ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ: **اکرموا اولادکم** یعنی اپنی اولاد کا احترام کرو تاکہ وہ گستاخ رویہ نہ اپنا لیں۔ بلکہ قرآن کے اس اصول پر عمل کرنے والے بنیں کہ: **فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما** اولاد کا احترام اولاد کی تربیت کے مرحلے کو آسان بنادیتا ہے۔ ابن ماجہ میں انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **اکرموا اولادکم واحسنوا ادبھم** یعنی "اپنی اولاد کی عزت کیا کرو اور ان کے اخلاق و کردار کو بہترین بناؤ۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ بچے کی کردار سازی کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ اس کے دل میں یہ بات ڈالی جائے کہ وہ صاحب کردار اور نیک بنے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا کہ: "بچے کو گالیاں نہ دو کیونکہ گالیاں دینے پر فرشتے کہتے ہیں کہ ایسا ہی ہو جائے۔ اور وہ ہو جاتا ہے۔ اس حدیث سے دراصل مراد یہ ہے کہ فرشتے انسانی اعمال کے نتائج پیدا کردیتے ہیں۔ مثلاً" بچے کو جب بار بار یہ کہا جائے گا کہ تو برا ہے تو وہ ذہن میں اپنی برائی کا ایک نقشہ بنا لیتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ برائی کے راستے پر چل

نکلتا ہے۔ لہٰذا اسے گالیاں دینے کی بجائے جہاں اسے اچھا اخلاق سکھایا وہاں اس کے مثبت رویوں کی تعریف بھی کی جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا استقبال ہمیشہ اٹھ کر اور ان کی پیشانی چوم کر کیا کرتے تھے۔ ابو داؤد میں ہے کہ حضرت عائشہ بیمار تھیں۔ ان کے والد حضرت ابوبکرؓ ان کی خیریت طلبی کے لئے آئے تو ان کا ماتھا چوما صحابہؓ نے اپنے بال بچوں کی تربیت اسی انداز میں کی تھی۔ مسند احمد بن حنبل میں ایک واقعہ درج ہے کہ عبداللہ بن قیسؓ ایک صحابی زادے تھے' کسی نے ایک روز انہیں مسجد قبا کے قریب اپنے خچر پر سوار جاتے دیکھا کہ راستے میں انہیں بزرگ صحابی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ملے۔ یہ نوجوان فوراً" اپنے خچر سے اتر آئے اور ابن عمر سے کہا: چچا آپ سوار ہو جائیں میں آپ کے ساتھ پیدل چلوں گا۔

والدین کو اپنی اولاد کے حق میں دعا بھی کرنی چاہئے ایسی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ بطور خاص قبول کرتا ہے۔ حدیث میں ہے:-

دعا الوالد لولدہ کدعاء النبی لامتہ (ایضا جزء دوم صفحہ 14)

"والد کی دعا اپنی اولاد کے حق میں ایسی ہوتی ہے جیسے نبی کی دعائیں اپنی امت کے حق میں۔"

ابن ماجہ کی ایک حدیث ہے کہ ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تین دعائیں جو خدا کے فضل سے ضرور قبول ہوتی ہیں ان میں سے ایک ماں باپ کی دعا ہوتی ہے جو وہ اپنی اولاد کے لئے کرتے ہیں۔

بعض والدین اپنے عمومی رویے میں لڑکوں کو لڑکیوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور اس ظلم پر انہیں ذرا بھی افسوس نہیں ہوتا۔ بیٹیوں کی پرورش اور تربیت میں عمداً" کوئی خاص حصہ بھی نہیں لیتے تربیت اولاد کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غیر منصفانہ رویے اور انداز فکر کی اصلاح فرمائی ہے اور بیٹوں کی تربیت کو بیٹیوں کی تربیت کے برابر اہمیت دی ہے فرمایا:

من ابتلی من ھذا البنات بشی فاحسن الیھن کن لہ سترا من النار۔

(مشکوا باب الشفقہ و الرحمۃ علی الخلق)

Marfat.com

"جسے بیٹیوں کی پرورش کا موقع ملا اور اس نے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا تو یہ بچیاں اس کیلئے جہنم سے نجات کا باعث بن جائیں گی۔"

اولاد کی پرورش پر بروقت اسے ٹوکنا یا کوئی نامناسب کام کرنے پر روک دینا بھی تربیت اولاد میں شامل ہے اسوہ صحابیات میں ہے کہ بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کسی کے ہاں مہمان ٹھہریں تو دیکھا کہ صاحب خانہ کی دو بچیاں بغیر چادر اوڑھے نماز ادا کرنے لگی ہیں۔ آپ نے انہیں اپنے پاس بلایا اور تاکید کی لڑکیوں کے لئے چادر یا دوپٹہ اوڑھے بغیر نماز ادا کرنا درست نہیں ہے۔ اسی کتاب میں ایک واقع درج ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبدالرحمنؓ ان کے گھر آئے اور جھٹ پٹ وضو کرلیا۔ ام المومنین نے ٹوک دیا اور کہا: عبدالرحمن! وضو اچھی طرح کیا کرو۔ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ وضو میں جو عضو نہ بھیگے اس پر جہنم کی پھٹکار ہے۔

اولاد کو غلط قسم کے کھیل تماشے سے روکنا بھی اس کی تربیت کا ایک حصہ ہے۔ سنن ابن ماجہ میں صحابی عبداللہ بن مغفلؓ کا واقعہ درج کیا گیا ہے۔ انہوں نے اپنے ایک بھتیجے کو ایک کھیل کھیلتے ہوئے دیکھا۔ جیسے خذف کہا جاتا تھا۔ آپ نے کہا میاں یہ کھیل نہ کھیلو۔ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہ ایک بے فائدہ کھیل ہے۔ اس سے نہ شکار کھیلا جاسکتا ہے نہ دشمن کو نقصان پہنچایا جاسکتا ہے۔ اگر اتفاقاً" کھیلنے والوں میں سے کسی کو لگ جائے تو آنکھ پھوٹ جائے یا دانت ٹوٹ جائے۔ پھر عبداللہؓ کسی کام میں لگ گئے مگر کچھ دیر بعد لوٹ کے دیکھا تو بچہ بدستور اسی کھیل میں مصروف تھا کہتے ہیں میں پھر اس کے پاس گیا اور کہا میں تمہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سناتا ہوں اور تم اس کام سے باز نہیں آتے۔ اللہ کی قسم اگر تم یہ کھیل کھیلنے سے نہ رکے تو میں تم سے بول چال ترک کردوں گا۔

کھاتے پیتے گھروں کے بچے جنہیں اپنی امارت کا زعم ہوتا ہے اکثر اپنے نوکروں سے مارپیٹ کا سلوک اور غلط لہجہ میں گفتگو روا رکھتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کے زیر اثر صحابہؓ نے ایسے موقع پر اپنی اولاد کو معاف نہیں کیا۔ اور اس میں بھی تربیت اولاد کا ایک ایسا رخ ہے کہ اولادوں میں طبقہ واری کا رجحان

Marfat.com

اور غریب کے مقابلے میں بے جا اور بھونڈے تفاخر کا احساس پیدا نہ ہونے پائے۔ سنن ابی داؤد کتاب الاداب فی حق الملک میں ہے کہ ایک صحابی کے بیٹے نے اپنے غلام کو بے وجہ مارا صحابی نے دونوں کو بلایا اور غلام سے کہا: میرے بیٹے کو اسی طرح مارو اور اپنا بدلہ چکاؤ۔

علی بن عبد الرحمٰن العادی ایک تابعی تھے۔ اپنے بچپن کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز دوران نماز میں کنکریوں سے کھیلنے لگا۔ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نماز کے بعد مجھے بہت پیار سے سمجھایا کہ "میاں نماز کے دوران ایسی حرکت مناسب نہیں ہوتی۔" دراصل بچے کی نشوونما اس ڈھب سے ہونی چاہئے کہ اس کی شخصیت کی مثبت تعمیر ہو سکے نہ کہ وہ دوسروں کے سامنے تماشا بن کر رہ جائے۔ حضرت عمرؓ نے ایک چھوٹے بچے کے پاؤں میں گھنگھرو بندھے ہوئے دیکھے تو انہیں فوراً" اتار دینے کا حکم دیا اور فرمایا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ گھنگھرو والے کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے بھی ایک چھوٹی بچی کے گھنگھرو کٹوا دیئے تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے ایک روز اپنے بیٹوں کے ہاتھوں میں چاندی کے کنگن پہنا دیئے۔ حضورؐ نے دیکھا تو گھر سے باہر آ گئے۔ فاطمہؓ بات کو پا گئیں فوراً" کنگن اتار لئے۔

یہ واقعات سنن ابی داؤد کتاب الخاتم باب ماجاء فی الجلاجل میں بیان ہوئے ہیں۔ اور اس بات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ بچے کا لباس اور ظاہری شکل و صورت ایسے ہونے چاہئیں۔ جن سے اس کی ننھی سی شخصیت بھی باوقار نظر آئے تا کہ اس کا اثر اس کی آئندہ زندگی پر بھی ایسا ہی پڑے نہ کہ ناجائز پیار میں خود اسے کھلونا یا مضحکہ خیز (LAUGHING STOCK) چیز بنا کر رکھ دیا جائے۔ زمانہ جاہلیت میں عربوں کے ہاں، بچوں کو نظر بد سے بچانے کے لئے عجیب و غریب قسم کے ٹونے ٹوٹکے کئے جاتے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلابی تعلیمات نے اس معاملے میں سب اوہام ختم کر دیا۔ اور پرورش اولاد کے جاہلانہ انداز میں مٹا دیئے۔ الادب المفرد باب الطیرۃ من الجن میں ہے کہ عہد جاہلیت میں نومولود بچوں کے سرہانے یا ان کے کھلونوں میں لوہے کا استرا رکھ دیا جاتا تھا یا گلے میں لوہے کی کوئی چیز لٹکا دی جاتی تھی

اور سمجھا جاتا تھا کہ بچہ آسیب سے محفوظ ہو گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے ایک مسلمان گھرانے کے کمسن بچے کے سرہانے تلے استرا پڑا دیکھا تو اسے اٹھوا دیا اور فرمایا : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفر کے ٹونے ٹوٹکے کو بہت برا خیال فرماتے تھے اور ایسا کرنے سے منع کیا کرتے تھے۔

اسوہ صحابہؓ اور سیر الصحابہؓ نیز احادیث کی کتب میں بہت سے واقعات بچوں کے حوالے سے نقل ہوئے ہیں جن کی معنویت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت عائشہؓ کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمٰن نہایت باریک دوپٹہ اوڑھے سامنے آئیں۔ ام المومنینؓ کو حجاب کا یہ انداز اچھا نہ لگا۔ آپ نے وہ دوپٹہ الگ کروا دیا اور فرمایا بیٹا تمہیں علم نہیں اللہ تعالیٰ نے سورہ نور میں کیا حکم دے رکھا ہے؟ پھر اپنے پاس سے ایک موٹی چادر ان پر ڈال دی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ کے پاس لوگ اپنے بچوں کو دعا اور برکت کے لئے لایا کرتے تھے۔ بچے عمر بھر ان بابرکت لمحوں کو یاد رکھتے اور ان پر فخر کیا کرتے تھے۔

بچوں کے اندر جذبہ سابقت پیدا کرنا اور صحت و طاقت اور کھیل کے کھلے مقابلے منعقد کرنا ان ساری باتوں میں بھی صحت مند تربیتی پیرائے اور پہلو موجود ہیں۔ اس کے لئے معاشرتی اور تعلیمی زندگی میں وقتاً فوقتاً بہم پہنچانا' نژادنو کی تربیت کا ایک لازمہ ہے۔ بدر کے لئے روانہ ہوتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوان اور بڑے بوڑھے تجربہ کار لوگوں کو اپنے ہمراہ لیتے وقت ایک انصاری بچے کی خواہش پر اسے بھی ساتھ لے لیا۔ اس پر ایک اور بچے سمرہؓ نے بھی اپنے آپ کو پیش کر دیا بلکہ اصرار کیا کہ اسے بھی ساتھ لے جایا جائے۔ وہ ابھی کمسن تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے روک دیا۔ سمرہؓ کو ملال ہوا کہنے لگے حضور! آپ نے میری ہی عمر کے فلاں لڑکے کو تو ساتھ لے لیا ہے مگر مجھے اجازت نہیں مل رہی۔ آپ میری اس کی کشتی کرائیں۔ سمرہؓ نے دوسرے لڑکے کو پچھاڑ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مقابلے پر بہت خوش ہوئے اور سمرہؓ کو بھی ساتھ لے لیا۔

مشہور صحابی زبیر بن العوامؓ جنگ یرموک میں شریک ہونے چلے تو اپنے بیٹے عبداللہؓ کو بھی بطور خاص اپنے ساتھ لے لیا۔ تب ان کی عمر دس برس سے زیادہ نہ

Marfat.com

تھی۔ والد نے بیٹے کو ایک گھوڑے پر سوار کرا کے انہیں ایک سپاہی کے حوالے کردیا اور ہدایت کی کہ میرے بیٹے کو جنگ کے ہولناک مناظر دکھاتے رہنا تاکہ اسے جرات اور بہادری کا سبق مل سکے۔

بچوں کو ڈرانا' کسی بات پر جھڑکنا یا جسمانی سزا دینا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق نہیں تھا۔ آپؐ کے گھر کے خادم انسؓ بہت بچپن ہی میں آپؐ کے ہاں آگئے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے میں بارہا گھر سے کوئی چیز لینے نکلا پھر کام بھول کر لڑکوں کے ساتھ کھیلنے میں مصروف ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تلاش کرتے ہوئے آتے اور بہت ہی شفقت کے ساتھ میرا کام یاد دلا دیا کرتے تھے آپؐ نے کبھی مجھے مارا نہ سخت سست کہا۔ کہتے ہیں ایک بار آپؐ نے کسی کام سے مجھے بھیجا۔ میں چلا تو راستے میں مجھے لڑکے کھیلتے ہوئے مل گئے۔ میں ان کے ساتھ کھیل میں شریک ہو کر کام بھول گیا۔ اتنے میں کسی نے پیچھے سے میری گردن پکڑی دیکھا تو حضورؐ مسکرا رہے تھے۔ فرمایا انس جاؤ جس کام کے لئے میں نے تمہیں کہا تھا وہ کروں۔ میں نے کہا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں یہ جارہا ہوں۔ انسؓ کہتے ہیں حضورؐ محبت سے مجھے دو کانوں والا کہہ کر بلایا کرتے تھے۔ میرے چھوٹے بھائی کا نام عمیرؓ تھا اس نے ایک ممولا پالا ہوا تھا اتفاق سے وہ مرگیا۔ عمیر بہت افسردہ ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر آئے اور عمیر کو رنجیدہ دیکھا تو اسے خوش کرنے کے رنگ میں فرمایا۔ اے عمیر کیا ہوا تیرا نغیر (پرندہ) گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے پرلطف انداز میں بچوں کے مشغلوں میں دلچسپی بھی لیتے اور ان کی دل جوئی بھی فرماتے۔

عبداللہ بن بشیرؓ کے ہاتھ ان کے والدہ نے حضورؐ کی خدمت میں انگور بھجوائے۔ یہ بچے تھے راستے ہی میں سارے انگور کھا گئے۔ معاملہ کھلا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیار سے فرمایا: یا غدر! یا غدر! ابے دھوکے باز' ابے دھوکے باز اس لہجے میں یہ بات محفوظ تھی کہ بیٹا یوں نہیں کیا کرتے۔ چنانچہ عبداللہ نے اس تربیتی رویے کو ہمیشہ یاد رکھا۔ ایسے موقعہ پر سخت سزا کا رویہ بچے کے رویے کو بگاڑ بھی سکتا ہے۔

حضورؐ کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں لڑکوں

کے ساتھ گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے چچا زاد بڑے بھائی بھی تھے اور مجھ سے پیار کرتے تھے۔ ایک دن میں نے آپ کو آتے دیکھا تو جلدی سے ایک گھر کے دروازے کے پیچھے چھپ گیا۔ آپ نے مجھے پکڑ لیا۔ میرے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور کسی کو بلا لانے کو کہا۔ عبداللہ بن عباسؓ ہی کے ساتھ ایک اور واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بچے جب بڑوں کا کہا مانیں تو ان کی حوصلہ افزائی کے طور پر ان کے لئے دعا بھی کرنا چاہئے کہ یہ بھی انعام کی ایک شکل ہے اور بچہ بزرگوں کی طرف سے حوصلہ افزائی کے اس رویے کو عمر بھر نہ صرف یاد رکھتا ہے بلکہ اس کی شخصیت سازی پر بھی اس کے دور رس اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے بیدار ہوئے تو میں نے وضو کے لئے پانی لا کر دیا اور میں اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کے گھر میں تھا۔ اور میں چھوٹا بچہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ مجھے پاس بلایا' پیار کیا' دعائیں دیں اور فرمایا:

اللھم فقھہ فی الدین و علمہ التاویل

اے اللہ! اس بچے کو دین کا شعور اور قرآن کی تاویل کا علم عطا فرما۔ اور یہ واقعہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بابرکت دعا کی ہمیشہ لاج رکھی اور اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کیا۔ انہوں نے جوانی ہی کے عالم میں قرآنی علوم میں ایک خاص مقام پیدا کیا۔

الادب المفرد باب ادب الصبیان میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو لوگوں نے دیکھا کہ ایک میدان میں سے گزر رہے ہیں۔ جہاں کچھ حبشی بچے کھیل کود رہے تھے۔ آپؓ وہاں رکے' ان کا کھیل دیکھا اور خوش ہوئے۔ پھر آپ نے انہیں دو درہم دیئے۔ یہ کھیل کود کے تقابلی اظہار پر گویا ایک انعام تھا۔ احادیث میں یہ بات مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو جمع فرماتے اور پھر ان کی انعامی دوڑ لگواتے اور فرماتے دیکھیں کون مجھے سب سے پہلے آ کے چھوتا ہے۔ کوئی سینے پر آ کر گر پڑتا' کوئی پیٹ پر مگر آپ کبھی برا نہ مناتے۔ حضرت امام مالکؒ نے اپنی کتاب الصلوۃ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے اہل و عیال کو نماز کی ادائیگی کے لئے نیند سے بیدار کرنے

Marfat.com

کی خاطر یہ آیت پڑھا کرتے تھے اور یہ گویا اپنے اہل و عیال کی دینی تربیت کا ایک خوبصورت انداز تھا۔ فرماتے:

وامر اهلک بالصلوہ واصطبر علیها_ لانسلک رزقا_ نحن نرزقک والعاقبہ للتقوی۔

صحابہ روزے رکھتے اپنی اولادوں کو بھی اس کی تلقین کرتے اور بعض حج پر اپنے بچوں کو بھی ساتھ لے جاتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسوہ اکثر صحابہؓ نے اپنی یاداشت کے حوالے سے محفوظ کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے قریب سے گزرتے تو خود انہیں سلام کہتے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں میں آپ ^ کے ہمراہ تھا۔ آپ ^ بچوں کے پاس سے گزرے جو کھیل رہے تھے۔ آپ ^ نے انہیں سلام کیا۔ یہ گویا بچوں کو ایک اچھی عادت سکھانے کی منفرد کوشش تھی۔ بچے بڑوں کے منہ سے سلام کے الفاظ سنیں گے تو بڑوں کو سلام کہنا سیکھیں گے۔ مشہور صحابہ عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں ابو داؤد نے اطلاع دی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو صبح سویرے جگایا کرتے تھے ابن مسعودؓ اپنی اولاد کو دیر تک سوتے رہنے کی غفلت کو کبھی پسند نہ کرتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نہ صرف یہ کہ اپنے بیٹوں سے کہتے کہ میرے سامنے قربانی کے جانورر اپنے ہاتھ سے ذبح کرو بلکہ یہ ہمیت لڑکیوں میں پیدا کرنے کے لئے انہیں بھی اس بات پر اکساتے کہ وہ اپنے ہاتھ سے جانور ذبح کریں۔ (میر الصحابہ جلد اول صفحہ 316)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے تشریف لاتے تو مدینہ کی گلیوں میں جو بچہ ملتا اسے سواری پر اپنے ساتھ بٹھا لیتے۔ اکثر یوں دیکھا گیا کہ سواری پر آگے پیچھے چھوٹے بچے خوشی خوشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سر مجلس اپنے نواسوں حسنؓ اور حسینؓ کو چومتے' سونگھتے اور لپٹاتے۔ صحابہؓ نے دیکھا کہ سرخ لباس پہنے پاؤں پاؤں چلتا اور کلکاریاں مارتا ہوا ایک بچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آتا اور جب آپؐ اسے پکڑنے کی کوشش کرتے تو وہ پیچھے بھاگ جاتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کھیلتے اور خوش ہوتے رہتے۔ صحابہؓ کہتے ہیں شاید وہ حسنؓ تھے یا حسینؓ۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

انہیں چوم رہے تھے کہ دور سے آئے ہوئے ایک قبائلی سردار اقرع بن حابس آپؐ کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہے۔ یہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ پھر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپؐ اپنے بچوں کو پیار بھی کرتے ہیں۔ میرے دس بچے ہیں اور میں نے تو انہیں کبھی چھوا تک بھی نہیں فرمایا: اگر اللہ تمہارے دل سے اولاد کی محبت چھین لے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ کتب احادیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا اور دونوں کانوں سے سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حسینؓ کے دونوں ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور حسینؓ کے دونوں قدم سینہ مبارک پر تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک لوک گیت کے الفاظ ادا فرما رہے تھے۔ "اے مچھر کی سی آنکھ کی طرح ننھے بچے آگے بڑھ ہولے ہولے۔" صحابہ کہتے ہیں کہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی فاطمہ کے گھر جاتے تو کہتے بچوں کو لاؤ پھر انہیں خوب لپٹاتے۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی دعوت پر تشریف لے جا رہے تھے کہ نواسے راستے میں کھیلتے ہوئے ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بازو پھیلا دیئے مگر بچے بازوؤں میں آ آکر نکل جائے تھے۔ ایک بچے کو آپؐ نے پکڑ کر ایک ہاتھ ٹھوڑی پر رکھا اور ایک سر پر اور سینے سے لگاتے ہوئے فرمایا: حسینؓ میرا ہے اور میں حسینؓ کا ہوں۔ ابراہیمؑ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے چھوٹے بچے اور آخری اولاد تھے۔ وہ مدینہ سے کچھ دور پرورش پاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر وہاں جاتے اور بچے کو اچھالتے اور چومتے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے کسی کو اپنے خاندان سے اس قدر محبت کرتے نہیں پایا جس قدر آپؐ کیا کرتے تھے۔ آپؐ کے صاحبزادے ابراہیمؑ موالی میں پرورش پا رہے تھے جو مدینہ سے چند میل دور تھا۔ انہیں دیکھنے مدینہ سے پیادہ جاتے گھر میں دھواں ہوتا مگر آپؐ بچے کو انا کے ہاتھ سے لے کر اسے پیار کرتے اور پھر مدینہ لوٹ آتے۔ فرزند رسول ابراہیمؑ کے حوالے سے حضرت کو بہت سی باتیں یاد تھیں۔ مثلاً "یہ کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک روز ابو یوسف لوہار کے گھر آئے وہ ابراہیمؑ کی رضاعی ماں کے شوہر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابرہیم کو اٹھایا، ان کے منہ کو بوسہ دیا۔ پھر ہم ایک بار اسی گھر میں آئے تو ابراہیم جانکنی کے عالم میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رو رہے ہیں؟ فرمایا ابن عوف یہ شفقت اور محبت ہے آپ پھر رو پڑے اور فرمایا آنکھ روتی ہے۔ اور دل غمگین ہے اور ہم نہیں کہتے مگر وہی بات جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ اے ابراہیم! ہم تیری جدائی میں غمزدہ ہیں۔

اپنے نواسے عبداللہ بن عثمان ؓ کے انتقال پر انہیں ہاتھوں میں اٹھایا اور بے اختیار ان پر آنسو گرنے لگے۔ اپنی بیٹی ام کلثوم ؓ کی موت پر بھی یہی کیفیت آپؐ پر طاری ہوئی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے تو بنی ہاشم کے جوانوں اور بچوں نے آپ کا استقبال کیا۔ اپنے گھرانے سے فطری محبت کے باعث ان میں سے چھوٹے بچوں کو آگے پیچھے بٹھا لیا اور پیار کیا۔ مشہور صحابی خالد بن سعید ؓ ایک موقع پر اپنی چھوٹی سی بچی کے ہمراہ جس نے سرخ لباس پہنا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں گئے۔ خالد بن سعید ؓ حبشہ میں رہے تھے اسی حوالے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچی کو حبشی لہجے میں فرمایا: سنہ سنہ مراد تھا۔ حسنتہ حسنتہ یعنی کیا ہی خوبصورت! بچی نے آپؐ کے لہجے کی محبت کو محسوس کرلیا تو وہ باپ کی گود سے اتر کر آپؐ سے کھیلنے لگی۔ باپ نے ڈانٹا تو فرمایا: ایسا مت کرو اسے کھیلنے دو۔

کہیں سے ایک سیاہ چادر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بطور تحفہ آئی۔ اس کے ارد گرد جھالر لگی ہوئی تھی۔ فرمایا: یہ کسے دی جائے لوگ چپکے ہو رہے۔ فرمایا خالد بن سعید ؓ کی بچی کو لاؤ۔ وہ بڑی ہو گئی تھیں آئیں تو انہیں اوڑھا دی۔ اس پر بیل بوٹے بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ بیل بوٹے بچی کو دکھا دکھا کر پوچھتے: بیٹا دیکھو تو یہ کتنے اچھے ہیں یہ کتنے پیارے ہیں۔ ام قیس بنت محض کہتی ہیں میں اپنے بیٹے کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے ابھی کھانا نہیں سیکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ بچے نے پیشاب کردیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور اس جگہ پر ڈال دیا جہاں بچے نے پیشاب کردیا تھا مگر ذرا بھی برا نہ منایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نماز شروع کرتا ہوں اور میرا ارادہ

ہوتا ہے کہ میں اسے لمبا کروں گا کہ اتنے میں پچھلی صفوں سے کسی بچے کے رونے کی آواز آتی ہے۔ پھر میں اس خیال سے نماز مختصر کردیتا ہوں کہ اس کی ماں کو تکلیف ہوگی۔ تم بھی اپنی نمازوں کو طول نہ دیا کرو۔ صحابیاتؓ کی یہ عادت تھی کہ جس کسی کے ہاں بچہ پیدا ہوتا' وہ اسے لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضری دیا کرتیں۔ آپؐ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے اپنے منہ میں کھجور ڈال کر اس بچے کے منہ میں رکھتے کہ اسے چوسے۔ اپنا لعاب مبارک اس کے ہونٹوں پر لگاتے اور اس کے لئے خیر و برکت کی دعا فرماتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب فصل کا میوہ آپ کی خدمت پیش ہوتا تو اسے حاضر بچوں میں تقسیم فرماتے۔ حکم تھا کہ اگر تمہارے ہاں کوئی پھل وغیرہ آئے تو اپنے بچوں کے ساتھ ہمسائے کے بچوں کو بھی بھجواؤ۔ اگر کسی وجہ سے ایسا نہ کر پاؤ تو پھلوں کے چھلکے اور گٹھلیاں وغیرہ باہر مت پھینکو۔ نہ اپنے بچوں سے کہو کہ باہر جا کر کھائیں۔ ایسا نہ ہو کہ دوسرے بچے اس پھل کو دیکھ کر للچائیں اور اپنے دلوں میں حسرت محسوس کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں جو معاشرتی حکمتیں مضمر ہیں ان کی طرف دنیا کے کسی دوسرے مصلح نے توجہ نہیں دلائی۔

مشہور واقعہ ہے کہ مکہ سے مدینہ ہجرت کے موقع پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں داخل ہوئے تو انصاری بچوں نے دف بجا بجا کر آپؐ کی محبت میں گیت گائے اور اپنی معصوم خواہشوں کا لوک گیتوں کے روپ میں اظہار کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قریب سے گزرے تو فرمایا: لڑکیو! تم مجھ سے پیار کرتی ہو؟ سب نے کہا: جی ہاں (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا میں بھی تم سے پیار کرتا ہوں۔ ابو قتادہؓ کی روایت ہے کہ ہم لوگ مسجد میں حاضر تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نواسی امامہؓ کو کندھے پر اٹھائے تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی جب سجدہ میں جاتے تو بچی کندھے سے اتار دیتے۔ قیام کرتے تو پھر اسے کندھے پر بٹھا لیتے تھے۔ اس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری نماز اسی طرح ادا فرمائی۔

یہ بات بھی احادیث میں محفوظ ہے کہ موتیوں کا ایک ہار جو کہیں سے آپ کی خدمت میں آیا' بہت پیار سے اپنی یتیم نواسی امامہؓ کے گلے میں ڈال دیا۔ نجاشی نے

Marfat.com

جو تحائف بھجوائے ان میں سے ایک اعلیٰ نگینے والی انگوٹھی آپؐ نے امامہؓ کو عطا کی۔ اسوہ نبوی میں اس قسم کے رویے درحقیقت بچوں کی تالیف قلبی کی مختلف صورتیں تھیں جو بعض صورتوں میں ان کی شخصیتوں کو بکھرنے سے بچالیتی ہیں۔

بچے خواہ کسی کے بھی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ان سے یکساں شفقت اور محبت کا سلوک فرمایا۔ کسی معرکے میں حملے کی جھپٹ میں آکر کچھ بچے مارے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک اطلاع پہنچی تو آپ بے حد ناراض ہوئے۔ کسی نے کہا حضورؐ! وہ تو کافروں کی اولاد تھے۔ فرمایا: خبردار بچے کسی کے بھی ہوں انہیں قتل مت کرو ایک صحابی کہتے ہیں میں بچپن میں انصار کی کھجوروں کے باغوں میں چلا جاتا اور ڈھیلے مار مار کر کھجوریں گراتا۔ ایک بار لوگ مجھے پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے فرمایا: میاں ڈھیلے کیوں مارتے ہو؟ میں نے کہا: کھجوریں کھانے کے لئے فرمایا: دیکھو جو کھجوریں زمین پر اپنے آپ گرتی ہیں انہیں بے شک اٹھا لیا کرو لیکن بے گانی چیز کو اس طرح ضائع مت کرو۔

بچوں اور اولاد کے حوالے سے اور ان کی پرورش اور تربیت کے اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ یہ بات واضح کرتا ہے کہ بچوں کو زندگی کی مختلف سطوح پر معاشرتی معاونت کی ضرورت پڑتی ہے جو انہیں اپنے والدین اور بڑوں یا افراد معاشرہ کی طرف سے بہرحال ملنی چاہئے تاکہ ان کی شخصیت سازی میں کوئی رخنہ نہ رہ جائے۔ ہر چند کی بدلتی ہوئی معاشری ہیئتوں میں تربیت اولاد کے انداز بھی بدلتے ہیں مگر اس کے اصولی رویے وہی ہیں جن کا اظہار سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا رہا ہے۔ آج کے صنعتی دور میں تربیت اولاد کا مسئلہ واقعی بہت پیچیدہ بن چکا ہے مگر سیرت رسولؐ آج بھی اس باب میں رہنما ہے۔ تربیت یافتہ اولاد ہی بوڑھے والدین کا سہارا بن سکتی ہے۔ سیرت کا مطالعہ آج بھی ایک بکھرے ہوئے خاندان کو ایک مجتمع خاندان (AWELL NIT FAMILY) میں بدل سکتا ہے تربیت اولاد کا یہ نقشہ ایک منتشر گھر ہمارے معاشری استحکام کی بنیاد ہے۔ یہی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کی تربیت اس ڈھب سے کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے کہ وہ اپنی خود مختار زندگی میں آسودہ حال بھی رہ سکے۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ عامر بن سعدؓ

Marfat.com

بستر مرگ پر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے تو انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری حالت تو آپ دیکھ رہے ہیں۔ میں صاحب جائیداد آدمی ہوں۔ میری صرف ایک بچی ہے۔ چاہتا ہوں کہ اپنے مال کا دو تہائی حصہ خیرات کر جاؤں یا نصف یا ایک تہائی۔ فرمایا یہ تو بہت زیادہ ہے _ اپنی اولاد کو مال دار اور خوش حال چھوڑ کر جانا زیادہ اچھا ہے تاکہ بعد میں وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاتے پھریں۔

یتیم بچوں کی پرورش اور تربیت بھی معاشرے کا حصہ ہے۔ قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رویہ انہیں بھی نظر انداز نہیں کرتا۔ اپنے والدین کی شفقت اور محبت سے محروم ایسے بچوں کے لئے قرآن مسلم معاشرے سے ایک خصوصی رویے کا طالب ہے اور یتیموں کی عزت کرنے کا حکم دیتا ہے۔

کلا بل لا تکرمون الیتیم (الفجر 21)

دیکھو تم یتیموں کی عزت نہیں کرتے پھر فرمایا:

اصلاح لھم خیر (البقرہ 22)

ان کی اصلاح احوال کی طرف توجہ دینا بہت بڑی نیکی ہے اور کہا _

فاما الیتیم فلا تقھر (الضحیٰ 9)

یتیم بچے پر سختی نہ کرو۔

ان بچوں کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

خیر بیت فی المسلمین بیت فیہ یتیم یحسن الیہ و شر بیت فی المسلمین فیہ یتیم و یساء الیہ

"مسلمان گھرانوں میں بہتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم پرورش پا رہا ہو اور اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا ہو اور بد ترین گھر مسلمانوں کے گھروں میں وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اسوہ کی روشنی میں بچوں کو خاندان کا لازمی جزو بنا دیا کیونکہ صرف تربیت یافتہ اولاد ہی گھرانے کے جذباتی تحفظ کا باعث بنتی ہے۔ جدید معاشری رویے میں تعلیم کے ساتھ تربیت کے مسئلے کو بھی یکسر تعلیمی اداروں کے

Marfat.com

سپرد سمجھ لیا جاتا ہے حالانکہ اولاد کی تربیت اولاً" اور اصولاً" گھریلو اور خاندانی مسئلہ ہے اور اسے اسی طرح رہنا چاہئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات' تربیت اولاد میں خاص طور پر ماں کے حصے کو بہت اہمیت دیتی ہیں۔

اچھی تربیت یافتہ اولاد اپنے والدین کی اخروی نجات کا باعث بنتی ہے۔ حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا مات العبد انقطع عنه عمله الا من ثلاث صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعو له

"یعنی جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین باتوں کے ایک صدقہ جاریہ دوسرے ایسا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں تیسرے نیک اولاد جو ماں باپ کے لئے دعائیں کرے۔" گویا اس حدیث میں ایسے والدین ایک بہت بڑی خوشخبری ہے جو اپنی اولاد کی اچھی تربیت اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق کرتے ہیں اور پھر اس دنیا سے گزر جانے کے بعد بھی ان کا یہ نیک عمل بطور ایک صدقہ جاریہ کے جاری رہتا ہے اور لحہ لحہ ان کے درجات کی بلندی کا باعث بنتا ہے۔

○

سیرتِ نبوی ﷺ کے منہاج

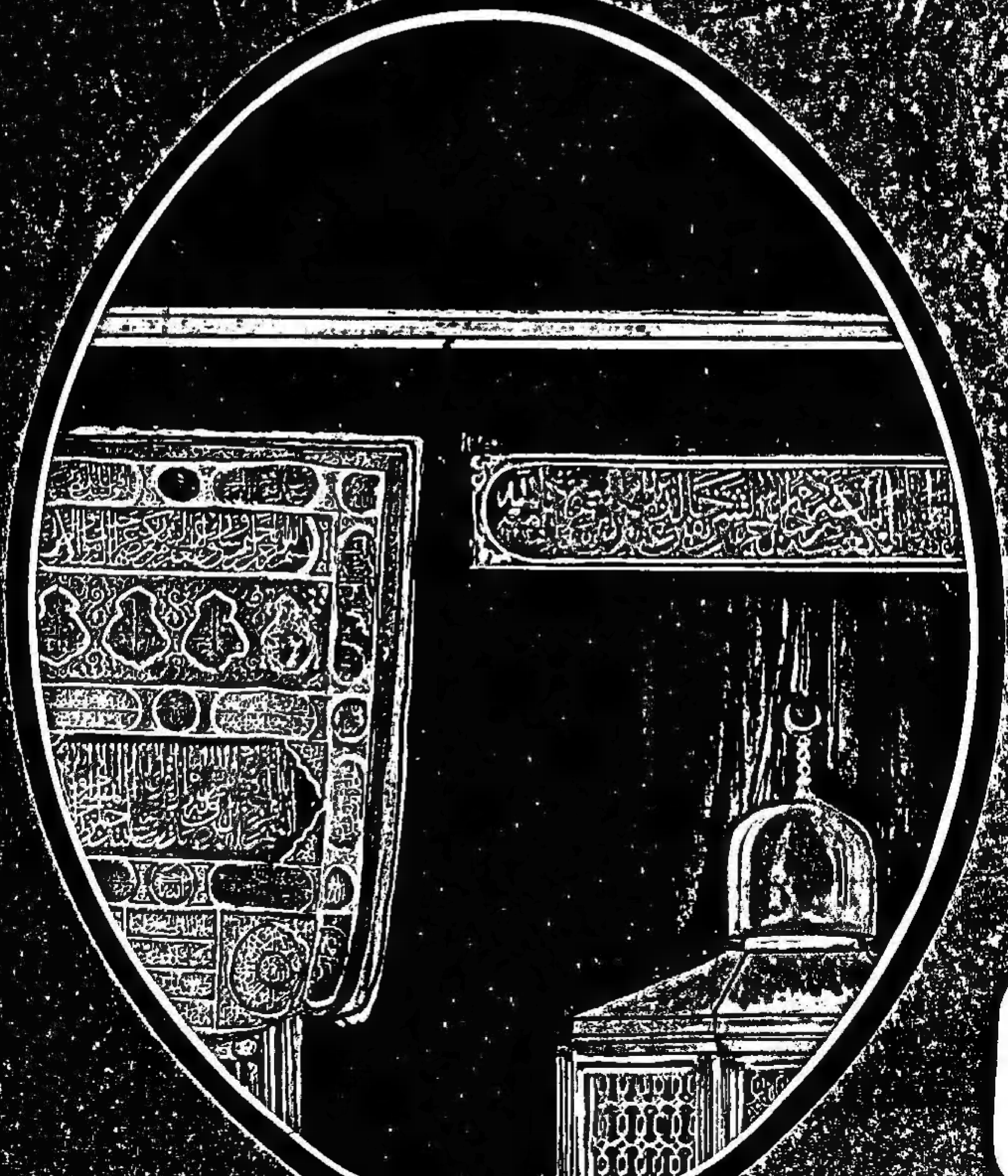

Marfat.com